جلد ۲۵ وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین۔ عدد ۱

ماہنامہ میثاق لاہور

جنوری ۱۹۷۷ء

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★

مرتب

جمیل الرحمٰن

یکے از مطبوعات

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۱۲ - افغانی روڈ - سمن آباد - لاہور

فون : ۴۱۳۹۴۵

سالانہ ۱۵/- ــــــــ قیمت فی نسخہ ۱/۵۰

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۲۵	ماہ جنوری ۱۹۷۷ء	شمارہ ۱

مشمولات

● عرض احوال	جمیل الرحمن	صفحہ ۱
● تذکرہ و تبصرہ	جمیل الرحمن	,, ۳
● الحیاء شعبة من الایمان	ڈاکٹر اسرار احمد	,, ۷
● سعی بین الصفا والمروہ	ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی	,, ۱۱
● افہام و تفہیم	جمیل الرحمن	,, ۱۵
● قرآنی تربیت گاہ - رپور تاژ	قاضی عبدالقادر	,, ۱۹
● تقریظ و تنقید	ادارہ	,, ۳۵
● خطوط و آراء	ادارہ	,, ۴۹
● حقوق نسواں کمیٹی کی سفارشات پر تبصرہ	میاں محی الدین احمد ایڈوکیٹ	,, ۵۴
● رفتار کار	جمیل الرحمن	,, ۵۹

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

جنوری ۱۹۷۷ء سے بحمد اللہ ماہنامہ 'میثاق' کی چھبیسویں جلد شروع ہو رہی ہے۔ ہمارے لیے یہ امر بھی مزید موجبِ اطمینان ہے کہ اس جلد کا آغاز اسلامی تقویم کے مطابق محرم الحرام ۱۳۹۷ھ سے ہو رہا ہے۔ خدا کرے کہ دعوتِ اسلامی اور دعوتِ رجوع اِلَی القرآن کے اس داعی و نقیب اور منّاد کو یہ توفیق و سعادت حاصل ہو کہ وہ خالص اسلامی طرزِ فکر و نظر کی تطہیر اور سیرت و کردار کی تعمیر میں اپنی حقیر سی سعی و کوشش پابندی سے جاری رکھ سکے اور اس جریدے میں جو کچھ بھی شائع ہو وہ حق ہو۔ کیونکہ حق کی تبلیغ و اشاعت دراصل اُن عزم الامور میں شامل ہے، جو ایک بندۂ عاجز کے لیے توشۂ آخرت بنیں گے۔ اِن شاء اللہ العزیز۔

پرچے کے اس عاجز مرتّب کو اپنی کم علمی و بے بضاعتی کا اعتراف ہے، یہ محض انکساری نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ نومبر، دسمبر کے مشترکہ شمارے میں احقر کے قلم سے لکھے ہوئے مضامین میں زبان اور انشاء کی چند غلطیاں موجود ہیں۔ جن کی طرف بعض کرم فرماؤں نے توجّہ دلائی ہے، جن کا یہ عاجز قلب کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اپنا دل چیر کر دکھا سکے۔ نیّتوں اور ارادوں کا علم صرف اُسی ہستی کو حاصل ہے جو علّام الغیوب اور علیمٌ بذاتِ الصّدور ہے۔ البتّہ یہ راقم اس ہستی کو گواہ بنا کر یہ عرض کرتا ہے کہ اپنی سعی و کوشش یہ ہے کہ 'میثاق' میں جو کچھ شائع ہو حق ہو اور حق کی تعلیم و تلقین پر مبنی ہو۔ کسی پر تنقید ہو تو جذبۂ نُصح کے تحت ہو، کسی سے اختلاف کیا جائے تو اصلاح پیشِ نظر ہو۔ جماعتی، گروہی اور فقہی تعصّب سے دامن بچایا جائے۔ ہنگامی وقتی مسائل سے امکانی طور پر صرفِ نظر کیا جائے، اُن پر اظہارِ خیال ہو تو اس صورت میں جب کہ وہ ناگزیر ہو جائے۔ چنانچہ گذشتہ شمارے میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، اُس میں اِس امر کا لحاظ رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ گذشتہ شمارے کے مضامین اور ترتیب کو عام طور پر پسند کیا گیا ہے اک

احباب نے زبانی طور پر اور بعض حضرات نے تحریری طور پر مرتب کی حوصلہ افزائی کی ہے، چند مفید مشورے بھی دیئے گئے ہیں۔ راقم ایسے تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ ہر مفید مشورے اور ہر نصیحت کا اس عاجز کی طرف سے خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا جائے گا اور 'میثاق' کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کی ہر امکانی سعی کی جائے گی۔

قارئینِ کرام کو زیرِ نظر شمارے میں "رپورتاژ" اور "رفتارِ کار" والے مضامین کی طوالت محسوس ہو گی۔ لیکن اس عاجز کو یقین ہے کہ اگر طوالت کو نظر انداز کر کے ان کا مطالعہ کیا جائے، تو یہ مضامین محض ایک "رُوداد" یا رپورٹ محسوس نہیں ہوں گے بلکہ اِن میں اُس دعوت کے بے شمار نکات سامنے آئیں گے، جس کی علمبرداری کی ہمیں توفیقِ الٰہی سے ارزانی ہوئی ہے ——— اسی لیے یہ عاجز قارئین سے ان دونوں مضامین کے بالاستیعاب مطالعہ کی استدعا کرتا ہے۔

"تدبّرِ قرآن" کی پہلی جلد بشمول مقدمہ و تفاسیر آیتِ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران کا تیسرا ایڈیشن چھپ کر آ گیا ہے۔ مزید براں سورۂ آلِ عمران کی علیحدہ تفسیر بھی محدود تعداد میں طبع کرائی گئی ہے تاکہ اِس سے وہ حضرات استفادہ کر سکیں جن کو جلد اوّل صرف سورۂ بقرہ کی تفسیر تک ملی تھی۔ اِن شاء اللہ آئندہ جلد اوّل سورۂ آلِ عمران تک ہی طبع ہوا کرے گی ——— جلد دوم کا پہلا ایڈیشن بالکل ختم ہو چکا ہے۔ اِس کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ وسط مارچ تک یہ ایڈیشن آ جائے گا۔

اشاعت کے سلسلہ میں ۱۹۷۶ء کی آخری سہ ماہی میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب "اسلامی قانون کی تدوین" اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی کتاب "اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا اصلاحی صاحب کی دو معرکۃ الآرا تصانیف "اسلامی ریاست" اور "پاکستانی عورت دوراہے پر" کتابت کے مراحل سے گزر کر اب پریس جانے والی ہیں۔ اُمید ہے کہ اواخر جنوری یا اوائل فروری میں یہ کتابیں دستیاب ہو سکیں گی۔

مسجد کو بسایا بھی اُسی شخص نے جس کو
حاصل ہو حضوری جسے اللہ کے گھر کی

توحید میں اور روزِ جزا میں نہ رہا شک
اُس مردِ مسلمان کے ایمان میں کیا شک

مولانا ظفر علی خاں مرحوم

جمیل الرحمٰن

تذکرہ و تبصرہ

ایک ایسے شخص کا تصوّر کیجیے جو پشاور سے کراچی کے لیے بذریعہ ریل عازمِ سفر ہوا تھا لیکن اثنائے راہ میں کسی حادثہ کی وجہ سے اس کی یادداشت جاتی رہی۔ اس کو یہ یاد ہی نہ رہا کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے چلا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ ویسے وہ پوری طرح ہوش مند ہے، تمام حواسِ خمسہ بھی کام کر رہے ہیں۔ خود فراموشی کے سوا اُسے کوئی دوسرا عارضہ بھی لاحق نہیں۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ ریل گاڑی مختلف مقامات پر ٹھہرتی ہے، بہت سے مسافر اُترتے اور چڑھتے ہیں۔ ریل گاڑی رواں دواں ہے کبھی میدانوں سے گزر رہی ہے، کبھی پہاڑوں سے۔ کبھی شہر و قصبات آ رہے ہیں کبھی جنگل اور لہلہاتے کھیت۔ کہیں دریا عبور ہو رہے ہیں تو کہیں ندّی اور نالے ـــ وہ ان نظّاروں کا مشاہدہ کرتا ہوا ایک نامعلوم منزل کی طرف چلا جا رہا ہے۔ چونکہ منزل اس کی لوحِ ذہن سے محو ہو چکی ہے اور اب نہ یہ یاد ہے کہ اس کا آغازِ سفر کہاں سے ہوا ہے؟ ایسے شخص کے ذہنی خلجان اور اضطراب کا بس تصوّر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کی صحیح ذہنی کوفت کا اندازہ ممکن ہی نہیں اور نہ ہی اُن کا الفاظ میں احاطہ کیا جا سکتا ہے۔

اب اسی مثال کو وسیع کیجیے۔ اس گنبدِ بے در اور اس وسیع و عریض کائنات کو ریل گاڑی کے ایک ڈبّے پر قیاس کیجیے۔ جس میں انسان سفرِ زندگی طے کر رہا ہے۔ اس کے مشاہدے میں ہر آن یہ بات آ رہی ہے کہ ہر لمحہ لاتعداد افراد دنیا میں وارد ہو رہے ہیں اور ہر لحظہ موت سے ہم کنار ہو رہے ہیں۔ جن کو اُن کے اپنے ہی عزیز و اقارب کاندھے پر سوار کر کے مٹی میں دبا دیتے، آگ میں جلا دیتے یا کسی دوسرے طریق سے نابود کر دیتے ہیں۔ انسان کے سامنے یہ کائنات ایک بحرِ بیکنار کی صورت میں موجود ہے۔ اس فضائے بسیط کے ایک گوشے میں سورج اور چاند ایک لگے بندھے ضابطے کے مطابق گردش کر رہے ہیں۔ بے شمار ستارے اور سیّارے تنکوں کی مانند تیر رہے ہیں۔ رات کی آمد و رفت، موسموں کا تغیّر و تبدّل، بارشوں اور ہواؤں کا نظام، سورج کی تمازت گیسوں کا امتزاج و آمیزش، مردہ زمین میں روئیدگی اور نشوونما، حیات کی نمو، نباتات و جمادات

اور حشرات الارض کا وجود اُس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ پھر وہ دیکھتا ہے کہ انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس سمندر میں عجب بُوقلمونی ہے کوئی تونگر ہے تو کوئی گدا، کوئی ظالم ہے تو کوئی مظلوم، کوئی نیک ہے تو کوئی بد، کوئی اپاہج ہے تو کوئی صحت مند، کوئی ناقص الاعضاء ہے تو کوئی کامل الاعضاء۔ کوئی شریف ہے تو کوئی شریر۔

روزمرہ کے اِن مشاہدات کے نتیجہ میں یہ بے چینی پیدا ہونا عین فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ آخر اس کارخانۂ ہست و بود کا نقطۂ آغاز اور ابتدائی سرچشمہ کیا ہے؟ اس گردشِ فلک اور ماہ و انجم کا آخری انجام کیا ہے؟ ۔ انسان کہاں سے چلا ہے اور کہاں جا رہا ہے' اس کا مبداء و معاد کیا ہے؟ جس شخص کو اِن سوالات کا تشفی بخش جواب معلوم نہ ہو اُس شخص کی کیفیت ریل کے اُس مسافر کی سی ہو گی جو پشاور سے کراچی کے لیے عازمِ سفر ہوا تھا لیکن سر پر کسی چوٹ کی وجہ سے وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا۔ جس مسافر کے لیے مبدأ و معاد کا علم مجہول اور نامعلوم ہو تو اُس کی بے چینی کا کیا ٹھکانا! اور اُس کے سفر کے انجام کی بربادی اور تباہی میں کیا شک! چونکہ ہر آن یہ اندیشہ موجود ہے کہ وہ اِس لاعلمی کے باعث منزلِ مقصود تک پہنچنے کے بجائے راستے ہی میں کسی اجنبی مقام پر اُتر جائے، جہاں اُس کے لیے خود فراموشی کی وجہ سے بہت سی دوسری سرگردانیاں، پریشانیاں اور صعوبتیں منتظر ہوں۔

کوئی انسان ماضی کی تلاش، حال کی بہتری اور مستقبل کی فکر کے خلجان سے خالی نہیں۔ ہر انسان میں شعوری اور غیر شعوری طور پر اس پیاس اور اس بے چینی کا موجود ہونا عین فطرت کا تقاضا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسانوں کی عظیم ترین اکثریت اس فطری پیاس کو محسوس ہی نہ کرے، اُس کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہ ہو اور وہ اِس چہل پہل دُنیا میں گم مگن اور نچنت ہو کر بھیڑ چال کی طرح حیوانوں کی سطح پر اس حیاتِ دُنیوی کا سفر مکمّل کرلے۔ بعض انسان اس سطح سے کچھ بلند ہوں تو اپنی سوچ میں اپنے خاندان اور برادری کو شریک کرلیں ———— جن کی پرواز اس سے کچھ بلند ہو وہ اس غور و فکر میں برادری اور خاندان کے ساتھ اپنے وطن اور قوم کو بھی شریک کرلیں۔ لیکن جو ان سے بھی زیادہ فہیم اور اعلیٰ طبع ہوتے ہیں وہ اپنے اضطراب میں پُوری انسانیت کو شامل کر لیتے ہیں اُن کے لیے یہ مسئلہ زندگی و موت کا مسئلہ بن جاتا ہے کہ وہ یہ معلوم کریں کہ انسان کا مبدا کیا ہے؟ مآل کیا ہے؟ اس کائنات کا نقطۂ آغاز کیا ہے اور اس کا آخری انجام کیا ہوگا؟ وہ دیکھتے ہیں کہ اس عالمِ ہست و بود، اس کارخانۂ قدرت اور اس عریض و بسیط کائنات کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ

وہ کسی نہ کسی طور پر انسان کے کام آتے، لہذا ان کے ذہن میں یہ سوال کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے کہ انسان کے وجود کا مقصد کیا ہے ؟ ایک فہیم و باہوش انسان کو اس نتیجہ پہ پہنچنے میں کوئی تردد و تامل نہیں ہوتا کہ اگر اس کرۂ ارض سے نسلِ انسانی بکسر غائب و معدوم ہوجائے تو دنیا کی کسی چیز کا پرِ کاہ کے برابر بھی کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اس کے برعکس انسان دنیا کی چیزوں کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اگر ہَوا نہ ہو، پانی نہ ہو، سورج نہ ہو، اُس کی روشنی و حرارت نہ ہو تو انسان اس کرۂ ارض پر چند لمحے بھی نہیں گزار سکتا ——
پھر وہ غور کرتے ہیں کہ انسان کی زندگی کیا بس اس دنیا ہی کی زندگی تک محدود ہے ؟ یا اس سے آگے بھی اس کی زندگی کا تسلسل باقی رہے گا ؟ مکافات و مجازاتِ عمل کے لیے دنیا کے طبعی قوانین ، اور انسانوں کے بنائے ہوئے تادیبی و تعزیری قواعد و ضوابط سے ماوراء بھی عدل و انصاف کا کوئی نظم و ضابطہ موجود ہے یا نہیں ؟ اسی غور و فکر کے نتیجے میں یہ سوالیہ نشان اُن کے ذہن میں اُبھرتا ہے کہ دنیا میں انسان کے مقدّر میں کشمکش ، محنتِ شاقہ ، غمِ روزگار ، اپنوں اور پرائیوں کے دُکھ درد کے احساس سے نجات اور رُستگاری کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں ؟ وہ سوچتے ہیں کہ انسان میں بقائے دوام اور خُلود کی جو فطری خواہش امرِ واقعہ کے طور پر موجود ہے وہ محض وہمی و خیالی ہے یا اُس کی حقیقی معنوں میں تکمیل کی کوئی سبیل ہے یا نہیں ؟ وہ اپنے علم، تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ ہر انسان غیر محدود عیش و آرام اور صحت و خوش حالی اور اپنے مرغوبات و داعیاتِ نفس کی لامحدود تسکین و آسودگی کی جس تمنّا کو اپنے دل میں پرورش کرتا ہے —— وہ تمنّا اور آرزو شرمندۂ تعبیر ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

یہ بنیادی سوالات ہیں جو انسان کی فطرت کی گہرائیوں سے اُبلتے رہتے ہیں ، جن کے تشفی بخش جوابات کے بغیر ایک باشعور ، دانا اور فہیم انسان کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے ۔ ہر دَور اور ہر زمانے میں فلسفیوں اور حکماء و عقلاء نے اس اُلجھی ہوئی ڈور کو سُلجھانے کی ، اپنی عقل ، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کوشش کی ہے ۔ اور اپنی دانست میں اُن کے صحیح و معقول جوابات ، توجیہات ، تاویلات اور توضیحات کی ہیں۔ لیکن اُن کا مقام محض ظن و قیاس اور وہم و گمان سے زیادہ نہیں ۔ اِن سوالات کا حقیقی جواب صرف اُس فکر کے پاس ہے جس کو دین کہا جاتا ہے ۔ اس پیاس کی تسکین کا کامل سامان صرف اُس نظریہ کے پاس ہے جس کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور روح کے اس اضطراب کی پوری آسودگی اور مکمل تشفی کا انتظام بس صرف اُس ذریعۂ علم کو حاصل ہے جس کا نام وحی ، نبوّت ، رسالت اور انزالِ کتب ہے ۔ انبیاء و رُسُل انہی سوالات کے جوابات دینے کے مقصد کے لیے مبعوث ہوئے جن کی آخری

اتمامی اور تکمیلی شان کے حامل ہیں ختم المرتبت جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آسمانی کتابیں انہی سوالات کے حل کے لیے نازل ہوئیں، جن میں آخری، مکمل اور ہر تحریف سے مامون و محفوظ کتاب ہے، قرآن مجید فرقانِ حمید!

اس کائنات کی تخلیق اور اس کے مقصدِ وجود کے عقدۂ لاینحل کو سلجھانے کی دنیا میں ہمیشہ کوشش ہوتی رہی ہے اور اب بھی جاری ہے۔ جن لوگوں نے بدیہیاتِ فطرت اور آیاتِ آفاق والنفس کو یکسر نظر انداز کر کے محض ناخنِ عقل سے اس عقدے کو کھولنے کی کوشش کی تو ان کو بہت سے مغالطے لاحق ہوئے ہیں اور انہوں نے بے شمار ٹھوکریں کھائی ہیں۔ انہوں نے اس کائنات کی تخلیق کو محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دے کر سرے سے اس سوال ہی کو رد اور خارج از بحث کر دیا کہ اس کائنات کا مقصد وجود کیا ہے اور اس کا مبدا ومآل کیا ہے؟ انسان کی حیثیت کیا ہے اور اس کا معاد کیا ہے؟ مادے میں نمو کی جو قوت ہے یہ کائنات اسی قوت کا ظہور ہے اور اب یہ بہت سے طبعی قوانین میں جکڑی ہوئی آپ سے آپ رواں دواں ہے یہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور خود بخود ختم بھی ہو سکتی ہے۔ اُن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان کو خیالی و ماورائی اُمور پر غور و فکر کرنے کے بجائے اپنی ساری توجہات محسوس اور واقعاتی حقائق پر مرکوز کرنی چاہئیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "خدا" کا وجود ہمارے حواس اور مشاہدہ سے ماوراء ہے۔ اس کے وجود پر جو مستحکم منطقی دلائل قائم کیے گئے ہیں تو ان کے رد کے لیے اس سے زیادہ وزنی دلائل بھی قائم کیے جا چکے ہیں۔ لہٰذا ایک خیالی چیز کے پیچھے وقت صرف کرنے کے بجائے کائنات کے اسرار پر غور کرنا چاہیے جس میں قوتوں کے بے شمار خزینے پوشیدہ ہیں۔ ان قوتوں کی دریافت و تسخیر ہی ہماری جولاں گاہ ہونی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ "رُوح" کا وجود بھی ایک خیالی شے ہے جبکہ انسان کا جسم اور مادہ ایک محسوس و مشہود چیز ہے۔ لہٰذا اس کی ترقی و ارتقاء ہماری فکر و کاوش کا موضوع بحث ہونا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ "حیاتِ اُخروی" محض ایک وہم ہے جبکہ حیات دنیوی ایک حقیقت ہے لہٰذا ایک وہمی و خیالی بات کے پیچھے وقت کے زیاں کے بجائے ہمیں اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں حیاتِ دنیوی کو زیادہ سے زیادہ پرآسائش، پُرامن اور عیش و آرام میں گزارنے کے ذرائع و وسائل مہیا کرنے پر صرف کرنی چاہئیں۔ ان کے نزدیک انسان خود جیتا ہے اور خود مرتا ہے، اس کی موت و حیات میں بس کائنات کے قوانین طبعی کارفرما ہوتے ہیں: بمصداقِ قرآنی:—
وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (جاری)

ڈاکٹر اسرار احمد ایک نشری تقریر

الحیاءُ شعبۃٌ من الایمان

سورۃ اعراف کے تیسرے رکوع کا مرکزی مضمون ان حقائق کا اثبات ہے کہ حیاء فطرتِ انسانی کا جزوِ لاینفک ہے۔ اور انسانوں اور حیوانوں کے مابین مابہ الامتیاز اُمور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت اور جبلّت میں داخل ہے کہ وہ اپنے اعضائے جنسی و صنفی کو ڈھانپ کر رکھنا چاہتا ہے اور عریانی کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ لباس کی اصل اور بنیادی غرض و غایت یہی ہے کہ اس سے ستر پوشی حاصل کی جائے، اگرچہ اضافی مقصد کی حیثیت سے زینت اور زیبائش و آرائش کا حصول بھی غلط نہیں، اس طرح گویا جہاں ایک طرف بے حیائی اباحیت اور عریانیت کی نفی ہو گئی جو کسی بھی فاسد تمدّن کا جزوِ لاینفک بن جاتے ہیں وہاں دوسری طرف اس زہد اور تقشّف کا بھی ابطال ہو گیا جو رہبانیت کے نام سے دنیا میں جاری رہے ہیں۔

اس ضمن میں خاص طور پر اہلِ عرب کو شیطان نے جس بے حیائی کے ارتکاب پر خدا پرستی کے نام پر آمادہ کیا تھا کہ وہ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور اسے بڑی نیکی اور ثواب کا کام سمجھتے تھے اس کی پُرزور تردید کی گئی اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ شیطان کے اغوا و اضلال کا پردہ چاک کیا گیا کہ اے بنی آدم! تمہارے اس دشمنِ ازلی نے جس طرح تمہارے جدِّ امجد حضرت آدمؑ اور تمہاری مادرِ محترم حضرت حوّا کو دھوکا دے کر ان کو جنّت کے لباس سے محروم کرا دیا تھا اسی طرح اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے اور تمہارا لباس عین حرمِ محترم میں خانہ کعبہ کے سامنے اُتروا لیا ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ تمہیں اس فریب میں مبتلا کر دیا ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے اور چونکہ یہ رسم آباء و اجداد سے چلی آ رہی ہے لہٰذا اُس کا حکم اللہ ہی نے دیا ہو گا۔ حالانکہ اللہ جو فاطرِ فطرت ہے کبھی بھی فطرتِ انسانی کے مخالف اُمور کا حکم نہیں دیتا۔

ے ریڈیائی تقریر میں صرف ترجمہ بیان کیا گیا تھا۔ لیکن مکمل استفادہ کے پیشِ نظر تقریر میں قرآن مجید کا متن بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ (ج۔ر)

ربطِ کلام کا حُسن دیکھئے کہ سورۂ اعراف کے دوسرے رکوع میں قصّۂ آدم و ابلیس کے ضمن میں بتایا گیا تھا کہ شیطان کے اغوا و اضلال کے نتیجے میں آدمؑ و حوّا لباسِ جنت سے محروم ہو گئے تھے اور اس کے فوراً بعد تیسرے رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا :

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝ (۲۶ : الاعراف)

اے آدمؑ کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اُتارا جو تمہارے لیے ستر پوشی بھی ہے اور ذریعۂ زینت بھی، پھر تقویٰ کا لباس بھی ہے جو سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔

گویا انسان کے لیے ایک لباس ظاہری ہے جس کا اساسی مقصد ستر پوشی ہے اور اضافی مقصد حصُولِ زینت و آرائش، اور دوسرا لباسِ باطنی ہے یعنی تقویٰ کا جذبہ اور حیاء کا مادہ جو فطرتِ انسانی کی بدیہیات میں سے ہونے کے علاوہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، یہی بات ہے جو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس حکیمانہ قول میں ارشاد فرمائی کہ "الحیاء شعبۃ من الایمان" (حیاء ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) آگے فرمایا :-

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (آیت ۲۷ : الاعراف)

اے بنی آدم! گمراہ نہ کرنے پائے تمہیں شیطان جیسے کہ نکلوا دیا تھا اس نے تمہارے والدین (یعنی آدمؑ و حوّا) کو جنت سے، ان کے لباس اترواکر تاکہ بے پردہ کر دے انہیں ایک دوسرے کے سامنے۔ یاد رکھو، یہ شیطان اور اس کے چیلے چانٹے تم پر وہاں سے گھات لگاتے ہیں جہاں سے تم ان کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ہم نے ان شیطانوں کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے :

یہ اشارہ ہُوا اس واقعے کی طرف جو جنّت میں ابلیسِ لعین اور حضرت آدمؑ و حوّا کے مابین پیش آیا تھا۔ پھر فرمایا :

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ

اور جب یہ لوگ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی پر اپنے آباء و اجداد کو

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿﴾ (آیت ۲۸ : الاعراف)	حامل پایا، لہٰذا یہ حکم ہمیں اللہ ہی نے دیا ہے کہہ دو اللہ کبھی بھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کی طرف جھوٹ موٹ ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا تم کوئی حقیقی علم نہیں رکھتے۔

یہ تردید ہوئی اہلِ عرب کی اس حد درجہ سفیہانہ و بیہودہ رسم کی کہ وہ مادر زاد برہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کے طواف کو بہت بڑی نیکی سمجھتے تھے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی اس حماقت کو اللہ ہی کی طرف منسوب بھی کرتے تھے۔ آگے فرمایا :

قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ ۟ وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡہَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ؕ کَمَا بَدَاَکُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ﴿ؕ﴾ فَرِیۡقًا ہَدٰی وَ فَرِیۡقًا حَقَّ عَلَیۡہِمُ الضَّلٰلَۃُ ؕ اِنَّہُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿﴾ (آیات ۲۹، ۳۰ : اعراف)	کہہ دو میرا رب تو بس عدل و قسط کا حکم دیتا ہے۔ اور اس کا کہ تم ہر عبادت میں اپنا رُخ سیدھا اسی کی جانب رکھو اور صرف اسی کو پکارو اطاعت کو صرف اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم لوٹ جاؤ گے۔ ایک گروہ کو اس نے ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ایک گروہ پر گمراہی مسلط ہو کر رہ گئی، اس لیے کہ خود انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنا لیا ہے اور اپنی (جہالت میں) سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں۔

یہ گویا خلاصہ ہو گیا قرآن اور اسلام کی اساسی تعلیمات کا۔ یعنی ایمان باللہ، نظری و عملی ہر نوع کی توحید خالص کے ساتھ اور ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں اس تصوّر کے ساتھ کہ وہ خود بھی عادل و منصف ہے اور عدل و انصاف کا حکم بھی دیتا ہے ——— اور ایمان بالمعاد یعنی یہ کہ انسان کی حیاتِ دُنیوی ہی کل زندگی نہیں بلکہ اصل زندگی اس کے بعد ہے جب کہ وہ اپنے اصل مبداء کے جانب لوٹے گا۔ اور یہ عظیم حقیقت کہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اوّلین انتخاب خود انسان کا اپنا ہے، کہ آیا وہ شیطانِ لعین اور اس کی ذُرّیّت صُلبی و معنوی کو اپنا دوست بناتا ہے یا رحمٰن اور اولیاء الرحمٰن کو ———

آخر میں فرمایا :

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ	اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت

مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (آیت ۳۱ : الاعراف)

سے آراستہ رہا کرو اور کھاؤ اور پیو، البتہ اسراف نہ کرو۔ اس لیے کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ گویا خلاصہ ہو گیا اسلام کی عملی تعلیمات کا ـــــــ خصوصاً اس نہج سے کہ وہ رہبانیت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ نہ لباس میں زیبائش و آرائش کا اہتمام ہرگز کوئی خلافِ تقویٰ بات ہے نہ کھانا اور پینا خلافِ تقویٰ و تدیّن اُمور ہیں ـــــــ یہ عام فطرتِ انسانی کے تقاضے ہیں جن میں عدل و قسط ملحوظ رہیں تو ان میں سے کوئی بھی بذاتہٖ شر نہیں ہے۔ البتہ تکلف اور اسراف یقیناً بُری باتیں ہیں جن سے لباس کے معاملے میں بھی بچنا چاہیے اور کھانے پینے کے معاملات میں بھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

نبی اکرمؐ کا خُلقِ مبارک اور قرآن مجید

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، جن کی عفّت کی شمع جنابِ باری تعالیٰ نے خود اپنے نورانی ہاتھوں سے آئینۂ تطہیر کے فانوسِ عفّاف میں روشن کی ہے، ایک دفعہ حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، رحمتِ عالمیاں، صفوتِ آدمیاں، تتمۂ دورِ زماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا گیا۔ اُمّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعا عنہا نے اِس کا کیا بلیغ جواب ارشاد فرمایا ہے کہ اُنکے اخلاق دیکھنے ہوں تو قرآن مجید کے اوراق کا مطالعہ کرو!

(مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے ایک مضمون سے اقتباس)

ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

سعی بین الصفا والمروہ

عراق کی قدیم سلطنت بابل کے بادشاہ نمرود کی حکومت نہایت مستحکم تھی۔ دولت کثیر اور امن بسیط نے اس کے دماغ میں نخوت وغرور کی شدت پیدا کر دی تھی۔ اس نے رعایا کو حکم دے دیا تھا کہ وہ اس کے بت کو سجدہ کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اس قدیم شہر بابل کے نواح میں بت تراشی اور بت فروشی کا کاروبار کرتے تھے۔ ابوالانبیاء خلیل اللہ شروع سے ہی اس کفر سے متنفر تھے۔ اور موقع پاکر اپنے والد کے بُت توڑ دیا کرتے تھے۔ جب آپ جوان ہوئے تو بیشتر اوقات اس ہی ذہنی کشمکش میں مبتلا اور جستجوئے حق میں کوشاں رہتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب خداوند قدوس نے مبعوث فرمایا تو آپ نے لوگوں کو شرک وکفر کی راہ سے منع کیا۔ لوگوں نے اس داعی الحق کو اپنے مدعی الوہیت بادشاہ نمرود کے حوالہ کر دیا۔ جس نے آپ کو نذر آتش کیا۔ مگر اللہ جل شانہٗ نے اپنے خلیل کو اس سے نجات دلائی۔ بعد میں آپ اپنی رفیقہ حیات حضرت سارہؓ اور برادر زادہ لوط بن فاران کو لے کر بابل کی حکومت سے نکل آئے اور کفرست کے مقام پر آباد ہو گئے۔ آپ نے گذر اوقات کے لئے بھیڑیں پال لیں۔ مگر خدا تعالےٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ اس علاقہ میں سخت قحط پڑا۔ جس کی وجہ سے آپ نے اس علاقہ سے بھی ہجرت فرمائی اور رخت سفر باندھ کر مصر کی طرف گامزن ہوئے۔ مصر میں اس وقت رقیون نام کا بادشاہ حکمران تھا۔ رقیون کا اصلی نام طوطیس بن مالیا تھا۔ اور اس کا دارالخلافہ منف تھا۔ جب آپ یہاں آئے تو رقیون نے بی بی سارہ کو پسند کر لیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے جلد اسے معلوم کرا دیا کہ سارہؓ خدا کے پاک نبی کی بیوی ہیں۔ اور وہ اس شیطانی وسوسہ سے باز رہا۔ اور حضرت ابراہیم کی بہت قدر و منزلت کی۔ اور جب آپ نے واپسی کا قصد فرمایا تو اس بادشاہ نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو آپ کے ساتھ کر دیا تاکہ نیک اور پاک خاندان میں ہاجرہ کی تربیت ہو سکے۔ چونکہ سارہؓ لاولد تھیں اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی ہاجرہ سے نکاح کر لیا۔ کچھ

عرصہ کے بعد ہاجرہؓ کے بطن اطہر سے خدا تعالیٰ نے ایک بیٹا عنایت فرمایا۔ اور اس بچہ کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ ادھر سارہؓ کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہو گیا جس کا نام اسحٰق رکھا گیا۔ خداوند قدوس نے اپنے پیارے نبی کو بتا دیا کہ یہ دونوں لڑکے بابرکت ہوں گے۔ اور بہت بڑی بڑی اقوام کے جدِ اعلیٰ بنیں گے۔

بنی اسرائیل حضرت اسحٰق کی اولاد میں سے تھے۔ اور یہ قوم شام۔ فلسطین میں آباد ہوئی۔ مگر حضرت اسمائیل جن سے ہمارا تعلق ہے۔ ملک عرب میں آباد ہوئے۔ جن کی اولاد میں حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ رحمۃ للعالمین تولّد ہوئے۔

حضرت اسماعیل ابھی شیر خوار ہی تھے۔ کہ ان کی سوتیلی والدہ سارہؓ نے گھریلو جھگڑے کی بنا پر حضرت ابراہیم کو مجبور کیا کہ وہ بی بی ہاجرہؓ کو گھر سے نکال دیں۔ اس بات پر حضرت ابراہیم نہایت رنجیدہ و کبیدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کو اطلاع دی کہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں جیسے سارہؓ کہتی ہیں ویسے ہی کرو۔ اسحاق و اسماعیل تیری ہی اولاد ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ہاجرہؓ کے فرزند دل پسند سے ایک عظیم قوم بنانی ہے۔ اس ارشادِ ربانی پر سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے حضرت ابراہیم نہایت صبر و حلم۔ استقامت و تحمل کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کو کشاں کشاں بہ ہزار مشکل حجاز کی ایک وادی میں لے کر پہنچے۔ جس کو وادی بطحا یا وادی بکہ بھی کہتے تھے۔ یہ وہ وادی ہے جہاں اب مکۃ المکرمہ واقع ہے۔ یہ وادی اس وقت انتہائی غیر آباد اور ویران تھی۔ تپتے ہوئے صحرا کی بے آب و گیاہ وادی جہاں انسان زندگی کے بدلہ موت کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کے چاروں طرف نوکیلے۔ تپتے اور چمکتے پہاڑ تھے۔ جو نگاہوں کو خیرہ کرتے تھے۔ صحرا کی وسعت حدِ نگاہ تھی۔ نہ چرند نہ پرند۔ سبزہ کا نام و نشان نہیں۔ ماسوائے ریت کے تودوں کے یا سراب کے دور دراز تک پانی کا نام نہ تھا۔ بادِ صرصر کے تھپیڑے العطش العطش پکارتے تھے۔

الغرض اس وادی میں کوہ صفا و مروہ کے پاس ان دو بے کس۔ نحیف اور بے لبس جانوں کو مختصر زادِ راہ کے ساتھ چھوڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ واپس لوٹنے لگے تو بی بی ہاجرہؓ نے نہایت غمگین لہجہ میں پوچھا۔ ابراہیم ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا " اس خدا کے جو دونوں جہان کا وارث ہے۔ اور پالنے والا ہے" ہاجرہؓ نے کہا بے شک پھر آپ جا سکتے ہیں۔

سُبحَان اللہ ! اس عالی ظرف ۔ہم سطح وہم خیال خاتون کے جو عین عنفوان شباب میں کمال عفت ۔عصمت کے علاوہ ثبات واستقلال ۔معاملہ فہمی ۔ضرورت شناسی ۔ حلم و بردباری سے بھی متصف تھیں ۔ایسے دیارِ غیر میں جہاں بظاہر موت کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا ۔خود کو صادقانہ و قانعانہ بصیرت افروزی سے مستغنی ثابت کر دکھایا ۔اور خدا کے حکم کی تکمیل میں صفا کی پہاڑیوں کے دامن میں سایہ تلاش کر کے صبر و شکر کے ساتھ بیٹھ گئیں ۔ اللہ اللہ! کیا کسی کو معلوم تھا کہ یہ مسموم وادی اس معصوم اسماعیل کے طفیل ایک دن حق کا مرکز بن جائیگی ۔

دھوپ کی شدت ۔تمازت تیز تر ہوتی جا رہی تھی ۔بچہ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) نے پیاس کے مارے رونا شروع کر دیا تھا ۔بی بی ہاجرہؓ کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتیں کبھی پتھریلی وادی کی طرف ۔مگر سوائے ویرانی کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا ۔جوں جوں سورج کی شعلہ افشانی میں زیادتی ہوتی گرمی کی حدت بڑھتی جاتی تھی ۔پیاس کے مارے ماں بیٹے کے چہرے کملاتے جا رہے تھے ۔ہاجرہؓ کے لعل کے رونے بلکنے نے ہاجرہؓ کے دل پر کیا اثر کیا ہوگا ۔ اس کا تصور آپ خود کر سکتے ہیں ۔جبکہ اس لمبے سفر نے بی بی ہاجرہؓ کو خود کمزور و ناتواں کر دیا تھا ۔آپ سے اپنے پسر کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور سخت فکر مند ہوئیں سوچا کہ ایسے تو کام نہ چلے گا ۔کہیں پانی کی تلاش کرنی چاہیئے ۔یہ خیال آتے ہی لختِ جگر کو چھوڑ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھریں مگر پانی نہ ملا ۔بچہ کی حالت مزید ابتر ہو گئی ۔پھر بھاگیں تاکہ اس معصوم کا پیاس کی وجہ سے موت کا منظر نہ دیکھ سکیں ۔پھر آسمان کی طرف منہ کر کے رو دیں ۔ گڑگڑائیں ۔اس امید پر کہ پہاڑی پر شاید کسی آدمی یا پانی کا نشان مل جائے کوہِ صفا پر چڑھ گئیں لیکن جب وہاں کچھ نہ ملا تو بھاگ کر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ گئیں ۔وہاں سے پھر صفا کی طرف بھاگیں ۔اس طرح آپ نے نہایت بے تابی اور اضطراری سے ان پہاڑوں کے درمیان سات چکر لگائے ۔بھاگتیں ۔نالہ و فریاد کرتیں اور گڑگڑا کر دعا کرتیں ۔ مگر پانی کا نشان نہ ملتا نہ ہی کوئی آدمی نظر آتا ۔آخر جب بی بی ہاجرہؓ کا کرب انتہا کو پہنچ گیا تو فرشتہ رحمت نے آپ کو آواز دی "اے ہاجرہ! اللہ نے تیری اور تیرے بچے کی آواز سن لی ۔اور تو اس کے پاس جا" ،جب آپ بچہ کے پاس پہنچیں تو سجدہ شکر بجا لائیں ۔بچہ جہاں پیاس کی شدت سے تڑپ رہا تھا ۔اس کے پاس ایک چشمہ ابل رہا تھا ۔جس سے

صاف شفاف پانی بہ رہا تھا۔ بی بی ہاجرہؓ نے بچہ کو پانی پلایا اور آپ بھی سیر ہو کر پیا۔ پھر سجدہ شکر میں گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو اس خوف سے کہ کہیں پانی ضائع نہ ہو جائے اس کے اردگرد پتھر رکھ کر حوض سا بنا دیا۔ آپ کو کیا معلوم تھا کہ یہ چشمۂ رحمت خداوندی کبھی خشک نہ ہوگا۔ پھر وہاں آپ دونوں برگزیدہ ہستیاں کافی دن سقف آسمان کے نیچے بیٹھے رہے۔

اس کے بعد اس چشمہ کی وجہ سے جو تاریخ اسلامی میں زم زم کے نام سے مشہور ہے وادی بکہ میں لوگ آباد ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے آباد ہونے والا قبیلہ جرہم الثانیہ تھا اس قبیلہ کے رئیس مضاض بن عمرو نے بی بی ہاجرہؓ سے اجازت لے کر زم زم کے نواح میں ڈیرہ لگا دیا اس طرح بنی جرہم کے قبیلہ نے مکہ کی موجود آبادی کا آغاز کیا۔ حضرت اسماعیل جب جوان ہوئے تو اس ہی رئیس بنی جرہم کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہو گئی۔ یہ سلسلہ بنی جرہم عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نامور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے اس سنسان جگہ پر ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو مکعب شکل کی تھی۔ جو کہ بیت اللہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ جس کو خانہ کعبہ بھی کہا جاتا ہے تعمیر کعبہ کے بعد آپ دونوں نے طواف کعبہ کا قصد فرمایا اور دین دار خدا پرست لوگوں کو بھی اس پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حضور محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت تک اہل عرب اس ہی طریقہ پر قائم رہے۔ البتہ انہوں نے حضرت ابراہیم کی روش میں بہت کچھ تغیرات کر ڈالے۔ مثلاً انہوں نے بتوں کو خدا کا شریک بنا دیا۔ اور ان کو خانہ کعبہ کی پشت پر اور صفا و مروہ پر نصب کر دیا۔ اور ان کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا۔ اور مشاعر ابراہیم کو بدل کر رکھ دیا۔ چونکہ بعثت محمدی شریعت ابراہیمی کی تجدید تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے بیت الحرام کو اس امت کی عبادت گاہ قرار دے کر حج اور عمرہ کا حکم دے دیا۔

حج ۶ھ میں فرض ہوا۔ آپ نے ۸ھ میں عمرہ ادا فرمایا اور ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک کثیر تعداد میں لوگوں کے ہمراہ فریضہ حج ادا کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ ۱۰ھ میں خود سرور دو عالم احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت فرمائی۔ اس میں لوگوں کو درست ادائیگی مناسک حج اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کی تلقین فرمائی۔

سعی بین الصفا والمروہ کی ماہیت اور اسرار پر نظر ڈالکر معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو

جمیل الرحمٰن

افہام و تفہیم

سوال :۔ من جانب سعید الحسن صاحب مغل پورہ لاہور

۱۔ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کے مطالعے کے بعد یہ سوال ذہن میں پیدا ہوا کہ اگر کوئی حدیث رسول قرآن سے مطابقت نہ کرے تو اس صورت میں کیا لازم ہے ؟

جواب :۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ”تبیین“، (قول و عمل سے اس کا بیان) بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرمائی تھی لہٰذا کسی بھی صحیح حدیثِ رسولؐ کا قرآن حکیم کے خلاف ہونا امر محال ہے اگر کہیں بادی النظر میں تعارض نظر آئے تو اس کو اپنے فہم کا قصور سمجھنا چاہئیے اور کسی عالمِ دین سے رجوع کرنا چاہئیے کیونکہ ہر صحیح حدیث کی قرآن مجید سے تطبیق کا کام سلف سے ہوتا چلا آرہا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۲۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کا کیا باعث ہوا ؟ آیا فطری وفات ہوئی یا کسی حادثے کے نتیجے میں ؟

جواب :۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات طبعی ہوئی تھی کسی حادثہ کے نتیجے میں نہیں ہوئی تھی ۔ واللہ اعلم

سوال :۔ من جانب صوفی احمد یار صاحب کوئٹہ

۱۔ اگست کے میثاق میں مولانا اصلاحی کا بصیرت افروز خطاب دکلاّ انہا تذکرہ ، پڑھا جس سے ایمان تازہ ہوا البتہ ایک جملہ کھٹکتا ہے وہ یہ کہ مولانا موصوف نے فرمایا ہے ”راہِ حق میں مسیح کی طرح سولی پر چڑھنا پڑتا ہے“۔ جبکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں ۔ براہِ نوازش اس بارے میں تشفی فرمائیے اس بارے میں سخت خلجان ہے ۔ !

جواب :۔ ”راہِ حق میں سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سولی پر چڑھنا پڑتا ہے“ یہاں بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے ۔ چونکہ یہود نے تو اپنی دانست میں حضرت مسیح علیہ

السلام ہی کو سولی پر چڑھوایا تھا۔ سلف سے لے کر خلف تک تمام علمائے حق کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم اطہر کے ساتھ رفع آسمانی ہوا ہے اور اُن کا قرب قیامت نزول ہوگا۔ جس شخص کو صلیب دی گئی ہے۔ وہ کوئی دوسرا شخص تھا۔ البتہ سولی دینے والے شک وشبہ میں مبتلا رہے۔

جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے سورۂ نساء کی تفسیر میں ان الفاظ کی وہی تشریح کی ہے جو سلف سے منقول ہے۔ یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی ہوا ہے۔ خطاب میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بطور محاورہ نیز حق کی راہ کی مشکلات کی وضاحت کے لئے استعمال ہوئے ہیں

سوال: من جانب عباد علی صاحب لاہور

۱۔ قرآن کی تعلیمات کے فروغ کے لئے کوششیں قابل تحسین ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ موجودہ صاحبِ اقتدار لوگ ملک کو کس طرف لے جارہے ہیں اور شعارِ اسلامی کی کیسی خلاف ورزیاں ہورہی ہیں!۔ آپ حکومتِ وقت کو اپنی تنقید کا ہدف کیوں نہیں بناتے؟ اور آپ آخر اسلامی انقلاب لانے کی کوششوں میں کسی دینی جماعت کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟

جواب:۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر ملک میں قوت نافذہ (حکومت) معاشرہ کے بناؤ بگاڑ میں انتہائی موثر کردار ادا کرتی ہے چونکہ تمام ذرائع و وسائل بالخصوص ذرائع ابلاغ سے لیکر درس گاہیں اور نصابِ تعلیم کا تعین بھی اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور قانون سازی سے لے کر اس کا نفاذ بھی اسی کے قبضۂ اختیار میں ہوتا ہے۔ لیکن اس بات پر بھی غور فرمائیے کہ ایک جمہوری ملک میں بالغ رائے دہندگان کے ذریعہ جو پارٹی اکثریت حاصل کر کے اقتدار سنبھالتی ہے اور درحقیقت اس معاشرے کے اعمال، اخلاق، کردار اور افکار کی نمائندہ ہوتی ہے لہذا ضروری ہے کہ افراد کے عقائد، اخلاق، اور اعمال کی اصلاح کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔ تاکہ اس معاشرے کے ذریعہ جس میں معتدبہ تعداد نکو کاروں کی ہو، صالح قیادت ابھر سکے۔ افراد کی اصلاح کے بغیر کوئی تعمیری تبدیلی کسی بھی ملک میں ممکن نہیں ہے ہمارے نزدیک اسلامی انقلاب کا صحیح طریق کار یہی ہے کہ اولاً قرآن حکیم کے ذریعہ جو سرچشمہ ایمان اور منبع یقین ہے معاشرے میں تجدید ایمان۔ توبہ اور تجدید

کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد اقامت دین کا مرحلہ آتا ہے۔ چونکہ جب تک ہمارے معاشرے بالخصوص اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کے قلوب و اذہان میں ایمان باللہ ایمان بالرسالت کی بنیادیں اور جڑیں مضبوط نہیں ہوں گی۔ اس ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ اور اس کا قیام امر محال ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ارباب اقتدار کی موجودہ روش کو کسی درجہ میں بھی صحیح سمجھتے ہیں بلکہ اس کو انتہائی ضرر رساں اور مہلک سمجھتے ہیں اور ان شاء اللہ ہم حق نصح کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ لیکن ہم اس طریق عمل کو درست نہیں سمجھتے کہ ان کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے عوام کے دینی جذبے کو مشتعل کر کے کسی سیاسی پارٹی کے حق میں استعمال کیا جائے جبکہ خود عوام کی ایک عظیم اکثریت کا (جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی شامل ہیں) حال دین سے بے خبری اور عملی بعد بلکہ خلاف دین اعمال اور مشرکانہ و مبتدعانہ عقائد و رسوم کے اعتبار سے کم و بیش وہی ہے جو اصحاب قوت و اختیار کا ہے کیونکہ دراصل حکومت ہمارے ہی معاشرے کا جامع عکس ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے سامنے جو طریق کار ہے بادی النظر میں اس کی کامیابی مشکوک نظر آتی ہے لیکن ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ جانتے ہیں کہ یہ طریق کار ہی علیٰ منہاج النبوت ہے اور اسی کی پیروی سے رضائے الٰہی، اور نجات اخروی کا حصول ممکن ہے۔ ہم صحیح طریق پر اپنی سعی و کوشش اور جد و جہد کے مکلف ہیں۔ ہمارے مساعی کا بارآور ہونا مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔

۲۔ شادی سے قبل جنسی تسکین (استمنار بالید) کو کراچی کے ایک ڈاکٹر صاحب نے جو ایک دینی جماعت کے سرگرم کارکن ہیں اپنے ایک رسالے میں جائز قرار دیا ہے نیز اس سلسلے میں امام مالکؒ یا امام احمد بن حنبلؒ کا حوالہ بھی دیا ہے (نام مجھے اچھی طرح یاد نہیں) آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: اس کے متعلق ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ کسی معتمد دینی ادارے سے رجوع کریں اپنے ناقص و محدود علم کی بنیاد پر ہمارا ذہن اس بات کو قبول کرنے میں تامل کرتا ہے۔ چونکہ قرآن حکیم میں جنسی تسکین کے دو ہی جائز طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔

اسی آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے ایک مرد مجاہد نے مامون الرشید عباسی جیسے باجبروت خلیفہ کے دربار میں متعہ کے حرام مطلق ہونے کا اعلان حق کیا تھا جس سے متاثر ہو کر مامون الرشید نے متعہ کے جواز کا حکم واپس لے لیا تھا۔ جوش جوانی کے تحفظ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے تجویز فرمائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فلاح کی اصل راہ قرآن وحدیث کی پیروی ہی سے مل سکتی ہے۔

(بقیہ سعی بین الصفاء والمروہ)

عفیفہ ماں اور اس کے حنیف بیٹے کی ابدی یادگار کو تازہ رکھنے کے لئے سعی ضروری ہے۔ دوسری طرف اس سعی کے ہر قدم پر بندگی کی تصویر ابھرتی ہے۔ جیسے جانباز سپاہی اپنے حاکم کے تابع میدان جنگ میں جاتا ہے ان خیالات اور جذبات کو سمجھنے کے لئے الفاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اس کی ہئیت ہی سب کچھ بتا دیتی ہے۔ لاکھوں بندگان خدا کا یہ احرام پوش۔ کفن بردوش سپاہیوں کا ایک لشکر جرار اُمت مسلمہ کے تصور کے ساتھ منظم اجتماعیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اور اس گروہ کی تمام سعی ایک طرف دین کی نصرت کے لئے وقف ہوتی ہے۔ دوسری طرف اس عزم بالجزم کا سنگ میل ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا راستہ ہمارا راستہ ہے۔ اور اس پر چلنے میں ہم ثابت قدم رہیں گے۔

کراچی میں مرکزی انجمن کی مطبوعات حسب ذیل مکتبوں سے دستیاب ہو سکتی ہیں

۱ —— مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ
۲ —— مدینہ پبلشنگ ہاؤس —— ایم۔ اے جناح روڈ
۳ —— طاہر بک ڈپو —— پریڈی اسٹریٹ صدر
۴ —— اقبال بک ڈپو —— " " "
۵ —— جنرل بک ڈپو —— فریر روڈ نزد آرام باغ روڈ

دوسری قسط

قرآنی تربیت گاہ

(منعقدہ راولپنڈی از ۸ اگست تا ۱۵ اگست ۱۹۷۶ء)

ایک رپورتاژ

از قلم :- قاضی عبد القادر (کراچی)

ہمارے رفیق شیخ جمیل الرحمٰن کا خیال ہے کہ اس تربیت گاہ کے انعقاد میں خالص خدائی تائید و نصرت کار فرما اور اُس کا خصوصی فضل شاملِ حال رہا ہے۔ ورنہ ظاہری اسباب انتہائی ناساعد تھے۔ ملک بھر میں بارشوں کا طوفان بپا تھا۔ سیلاب کی وجہ سے ریل اور سڑک کے اکثر راستے مسدود ہو گئے تھے اور جو کھلے ہوئے تھے وہ انتہائی مخدوش تھے۔ جبکہ اس تربیت گاہ میں ملک کے دُور دراز کے شہروں سے رفقاء کو شرکت کرنی تھی۔ خود راولپنڈی کا مطلع ابر آلود تھا اور وقفہ وقفہ سے زور دار بارشیں ہو رہی تھیں۔ جس کے پیشِ نظر مقامی حضرات کی شرکت بھی مشکوک تھی۔ چونکہ مقامِ تربیت گاہ شہر راولپنڈی اور اسلام آباد کے وسط میں واقع تھا اور ہر دو اطراف سے فاصلہ تقریباً چار میل سے متجاوز تھا۔ پھر پانی کی فراہمی کے ذریعہ کے فقدان نے تو گویا بالکل نااُمید ہی کر دیا تھا لیکن قرآنِ حکیم کے اس فرمان کہ : وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ کو عملی صورت میں متشکل ہونا تھا اور وہ ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥

ہماری اس آٹھ روزہ قرآنی تربیت گاہ کے پروگرام دو حصّوں پر منقسم تھے، ایک عمومی اور دوسرے خصوصی۔ ایک حصّہ عصر تا مغرب اور مغرب تا عشاء دو عمومی نشستوں پر مشتمل تھا جس میں مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے منتخب نصاب کے تحت درسِ قرآن دیتے اور تقریر فرماتے تھے۔ دوسرا حصّہ جو قیام اللیل اور صبح نو بجے تا ایک بجے دوپہر کی خصوصی نشست پر مشتمل تھا۔ اُس میں "تنظیم اسلامی" کے زیرِ اہتمام درسِ حدیث اور مطالعۂ لٹریچر کا پروگرام ہوتا تھا۔

شب و روز کا پروگرام کچھ اس طرح تھا ——— "میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ" ——— کہ رات کو دو بجے رفقاء بیدار ہو جاتے اور ضروریات سے فارغ

ہو کر ہال میں پہنچ کر باجماعت نمازِ تہجد ادا کرتے۔ صحابہ کرامؓ کے معمول کے مطابق اہتمام یہ کیا گیا تھا کہ ہر رات قرآنِ کریم کا ایک حزب پڑھ کر سات راتوں میں اُسے ختم کیا جائے۔ —— قرآنِ کریم سنانے کی ذمہ داری قاری عبدالقادر صاحب کے سپرد تھی جو بڑی خوش الحانی سے چار رکعات میں ایک حزب ختم کرتے۔ قیام اللیل ہماری تربیت گاہ کا ایک جزو تھا —— ڈاکٹر صاحب نے اسے لازمی تو نہ کیا تھا کہ بہر حال یہ نفل ہے فرض نہیں —— لیکن کچھ ضعیفوں اور بیماروں اور چند نیند کے ماتوں کو چھوڑ کر اکثر رفقاء اس میں پابندی سے شرکت کرتے رہے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب بھی باوجود بیماری اور شدید تکان کے اس میں پابندی سے شریک ہوتے رہے ورنہ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ تحریک کے داعی اور تو سب پروگراموں میں چاہے بڑھ چڑھ کر حصّہ لے لیں لیکن قیامُ اللیل کا پروگرام اُن کے نفس پر بڑا شاق گذرتا ہے اور وہ بیماری یا اور کسی سبب سے اس سے رخصت لے لیتے ہیں ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد　　زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن

حقیقت تو یہ ہے کہ تحریک کے کارکنوں کے لیے اور خصوصی طور پر اُس شخص کے لیے جو دین کا "داعی" بن کر کھڑا ہوتا ہے، اپنی روزمرّہ زندگی میں دین کی فرمانروائی کے لیے اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے اور باطل سے پنجہ آزمائی کے وقت اللہ کی نصرت و مصابرت طلب کرنے کے لیے، نالۂ شب گیر اور آہِ سحرگاہی ایک جزوِ لازم (MUST) ہے۔ ؎

واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے　　اُونچی ہے ثریّا سے بھی یہ خاکِ پُراسرار

میری دُعا ہے کہ میرے وہ رفقاء جو ایک ہفتہ تک اس کی ٹریننگ لیتے رہے ہیں۔ خدا کرے اُسے اپنی زندگی کا ایک معمول بنا ڈالیں اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے آمین!

گراں بہا ہے ترا گریۂ سحرگاہی!　　اسی سے ہے ترے نخلِ کہن کی شادابی

با جماعت قیامُ اللیل کے بارے میں بعض رفقاء کو تردّد تھا۔ ایک مختصر سی مجلس میں جس میں ڈاکٹر صاحب، مولانا عبدالرحمٰن نومسلم اور چند دوسرے رفیق شریک تھے۔ یہ بات زبان پر بھی آگئی شیخ جمیل الرحمٰن نے اس موقع پر اس خیال کا اظہار کیا کہ مستقل طور پر باجماعت قیام اللیل تو کسی طور ثابت نہیں لیکن گاہے گاہے (اور وہ بھی تربیت کے لیے) قیام اللیل باجماعت کے جواز کی دلیل کے لیے ان دو حدیثوں سے استنباط کیا جا سکتا ہے۔ جس میں ایک حدیث حضرت

عبداللہ بن عباس رضؓ سے اور دوسری حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے مروی ہے۔ پہلی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک شب حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے حجرے میں سوئے اور پچھلی رات کو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے قیام اللّیل شروع فرمایا تو وہ بھی وضو کرکے حضورؐ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے لیکن حضورؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کے اپنی داہنی طرف کر لیا اور انہوں نے حضورؐ کی امامت میں نمازِ تہجّد ادا کی۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے روایت ہے کہ ان کو قیام اللّیل میں ایک رات حضور کے ساتھ شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس رات ہر رکعت میں بار بار حضور سورۂ مائدہ کی ایک آیت مبارکہ تلاوت فرماتے رہے اور چشم مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگی رہی، آیت مبارکہ یہ تھی:۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ان دو حدیثوں سے گو یہ گا ہے گا ہے قیام اللّیل باجماعت کے جواز کے لیے استنباط کیا جا سکتا ہے۔ البتہ مستقل اور دائمی طور پر نہیں۔ ـــــــــــــــ بھائی جمیل کی اس رائے پر سب حضرات خاموش رہے جس میں مولانا عبدالرحمٰن نومسلم بھی شامل تھے جو ایک جیّد عالمِ دین ہیں۔ یہ خاموشی گویا اس امر کی دلیل تھی کہ جن حضرات کو تردّد تھا وہ اس رائے سے متفق ہو گئے تھے ـــ پونے چار بجے تک قیام اللّیل کا پروگرام اور اس کے بعد ٹھیک چار بجے اذان اور اذان دینے والا بھی کون؟ ـــــ ہمارا نوجوان رفیق جمیل احمد ـــــ جس کی آواز میں ایک مٹھاس، ایک کشش، ایک شیرینی سی، ایک معصومیّت سی ـــــ وہ آواز جو ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے ـــــ وہ جب اذان دینے کھڑا ہوتا، میں نہ جانے کیوں اُس کی آواز کی جانب کھنچا سا چلا جاتا ـــــ اذان اس کے قریب جاکر سنتا رہتا جب تک وہ اذان دیتا ـــــ اس کی آواز میں ایک سوز تھا، ایک جذبہ تھا ـــــ اس کی اذان کی آواز آج بھی میرے کانوں میں رس گھول رہی ہے ـــــ اللہ اکبر! یہ ہماری اذانیں ہی تو تھیں جنھوں نے چار دانگِ عالم کو تھرّا دیا تھا ؎

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

یہ اذانیں اُس دین کی تھیں جو غالب ہونے کے لیے آیا تھا مغلوب ہونے کے لیے نہیں باطل سے پنجہ آزمائی کے لیے آیا تھا اس کے تحت رعایتیں لے کر سسک سسک کر جینے کے لیے نہیں۔ پھر یہ کیا ہوا۔ یہ المیہ بھی چشمِ فلک نے دیکھا کہ ہماری قوم ہی کے تو مؤذّن تھے جو انگریز

کی چھاؤنیوں میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے لیکن انہیں یہ پتہ تک نہ تھا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

وہاں غالب دین انگریز کا تھا اور اسلام بیچارہ چند رعایتیں لے کر اُس غالب دین کے تحت زندگی بسر کر رہا تھا ؎

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اور پھر اس المیہ کی انتہا یہ تھی کہ مُلّا تو محرابِ مسجد کے نیچے سو گیا اور قوم فرنگی بتکدہ میں کھو گئی۔ ذکر کر رہا تھا میں اذان کا اور میرے جذبات کا دھارا مجھے کہاں سے کہاں لے گیا۔ قارئین! مجھے معاف فرمائیں یہ میری کمزوری ہے —— ہاں تو چار بجے اذان ہوتی اور سوا چار بجے فجر کی نماز کو کھڑے ہو جاتے۔ نماز سے فارغ ہو کر سات بجے تک آرام کی اجازت تھی۔ اس کے بعد ناشتہ اور ملاقاتیں اور ٹھیک نو بجے ہال میں درسِ حدیث اور مطالعۂ لٹریچر کا پروگرام شروع ہو جاتا۔ اس پروگرام میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بقدرِ ضرورت حصّہ لیتے۔ درسِ حدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب نومسلم اور جناب منیر احمد صاحب دیتے اور لٹریچر سے مطالعہ شیخ جمیل الرّحمٰن صاحب اور جناب مختار حسین صاحب فاروقی کراتے۔

اس پروگرام کے اختتام پر ایک بجے ظہر کی اذان اور پھر نماز ہوتی، نمازیں سب ہال میں ہوتیں۔ ظہر کی نماز کے بعد کھانا اور پھر عصر کی اذان تک قیلولہ اور آرام۔ عصر کی اذان پانچ بج کر پانچ منٹ پر ہوتی اور نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کا درس شروع ہو جاتا جو مغرب کی نماز کے وقفہ کے بعد عشاء تک جاری رہتا۔ عشاء کی نماز عام طور پر ساڑھے نو بجے کے قریب ہال ہی میں ادا کی جاتی۔ اس کے بعد رات کا کھانا اور پھر ۲/۱-۲ بجے شب تک کے لیے آرام —— یہ تھا ہمارا شب و روز کا پروگرام۔

قیام اللّیل اور دن کے خصوصی پروگرام تو صرف ہمارے رفقاء ہی تک محدود تھے، نہ ہم نے ان کا اشتہار دیا تھا اور نہ اعلان کیا تھا لیکن شام کی عمومی نشستوں میں جن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا درسِ قرآن ہوتا تھا —— راولپنڈی اور اسلام آباد کے باسیوں نے نے خاصی تعداد میں شرکت کی۔ شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد —— جن کے لیے پردہ کا مکمل انتظام تھا، ہماری توقع سے کہیں زائد تھی۔ تو میرے پیارے قارئین! اب آپ یہ جاننا بھی چاہیں

ـــــکہ صبح وشام کے ان پروگراموں میں کیا کچھ زیرِ درس رہا تو مختصراً صبح کی خصوصی نشست اور شام کی عمومی نشست کی رُوداد بیان کی جارہی ہے ۔

۸ راگست بروز اتوار

صبح ساڑھے نو بجے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی افتتاحی تقریر سے تربیت گاہ کا آغاز ہوا ۔ تقریر کا عنوان تھا "پاکستان ۔ اسلام اور قرآن" جس کا اعلان اخبارات میں کر دیا گیا تھا ۔ اس اجلاس کی صدارت انجمن فیض الاسلام راولپنڈی کے سرپرست جناب میاں حیات بخش صاحب نے فرمائی جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک دردمند دل عطا فرمایا ہے اور جن کی کوششوں سے یتیم خانہ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے جب اُن سے یتیم خانہ میں قرآنی تربیت گاہ کے انعقاد کی درخواست کی تو موصوف نے نہایت خوشی سے اجازت دے دی ۔ اپنی افتتاحی تقریر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہمارا ملک پاکستان خالص اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے ۔ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے ۔ جغرافیائی ، وطنی ، لسانی یا نسلی عوامل جو عام طور پر ایک قوم یا ملک کے تشخص یا وجود و قیام کے لیے مؤثر تسلیم کیے جاتے ہیں ۔ اُن عوامل میں سے کسی بھی عامل کا پاکستان کے قیام میں سرے سے کوئی دخل نہیں ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک کا مستقبل صرف اسلام کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اگر یہاں حقیقی اسلام کے نفاذ کی طرف توجہ نہ دی گئی اور اسلامی شعار و اقدار کا تحفّظ نہ کیا گیا تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو چونکہ اسی مالک الملک کا فرمان ہے کہ :۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ط كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ط (سورۃ صف) ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس وقت ملک جن مصائب کا شکار ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی تنبیہات ہیں ـــ صورتِ حال یہ ہے کہ ہم نے اُن انفرادی و اجتماعی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی سعی نہیں کی جیسے کہ سعی کا حق ہے اِلّا ماشاء اللہ ! جو از روئے اسلام ہم پر عاید ہوتی ہیں ۔ اس کی جو اصل وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کی عظیم ترین اکثریّت میں دین کی اساسات یعنی ایمان باللہ ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرّسالت مضمحل ہو چکی ہیں ۔ ہمیں اسلام ، بطورِ موروثی عقیدہ منتقل ہوا ہے ، شعوری طور پر ایمان دلوں میں موجود نہیں اِلّا ما شاء اللہ !

ان ایمانیاتِ ثلاثہ کی تجدید اور ان کی دلوں میں بنیادیں مضبوط کرنے کا واحد ذریعہ قرآن مجید ہے ۔ غلط نظریات کی تطہیر ہو گی تو اسی سے جاہلیتِ قدیمہ اور جدیدہ کا ابطال ہو گا تو اسی سے

احقاقِ حق ہوگا تو اسی سے، سیرت و کردار کی تعمیر ہوگی تو اسی سے، آخرت کا حقیقی یقین پیدا ہوگا تو اسی سے اور اسی عقیدے کی پختگی سے اصلاحِ حال بھی ہوگی اور اللہ کی راہ میں جدّ و جہد کا داعیہ بھی بیدار ہوگا۔ اسی مقصد کے لیے آپ کے اس شہر میں آٹھ روزہ قرآنی تربیت گاہ رکھی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کی از رُوئے قرآنِ حکیم جو ذمہ داریاں ہیں وہ ہمارے سامنے آجائیں۔ لہٰذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس قرآنی تربیت گاہ میں خود بھی شریک ہوں اور اپنے حلقۂ تعارف کو بھی اس میں شرکت کی دعوت و ترغیب دے کر تعاون فرمائیں ——— ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر بارہ بجے ختم ہوگئی۔ شام کو بعد نمازِ عصر ڈاکٹر صاحب نے سورۂ والعصر کے درس سے اپنے قرآنی نصاب کا آغاز فرمایا۔ بعد نمازِ مغرب سورۂ بقرہ کی آیت بِرّ (آیت نمبر ۱۷۷) کا درس دیا جس میں "اسلام میں نیکی کا تصوّر" نہایت تفصیل سے بیان فرمایا۔

۹ر اگست بروز پیر نو بجے صبح خصوصی نشست کا آغاز مولانا عبد الرحمٰن صاحب کے درسِ حدیث سے ہوا۔ آپ نومسلم ہیں، مشرقی پنجاب سے تعلق تھا لیکن نوعمری میں اسلام لانے کے بعد دہلی میں قیام رہا۔ وہیں سے قیامِ پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے، عمر پینسٹھ سال سے متجاوز ہے اور اب اس تربیت گاہ میں شرکت کے لیے کراچی سے تشریف لائے ہیں۔ مستند اور جیّد عالم ہیں، مسلکاً اہلِ حدیث ہیں، حدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ کئی دینی درس گاہوں میں حدیث کا درس دیتے رہے ہیں۔ لیکن حصُولِ معاش کے لیے کاروبار کرتے رہے ہیں اور اب بھی کاروبار کرتے ہیں۔ آپ نے "اربعینِ نوویؒ" سے حدیث کے مطالعہ کا آغاز فرمایا اس کی کاپیاں رفقاء میں تقسیم کردی گئی تھیں ——— اس کے بعد شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا وہ بصیرت افروز خطبہ پڑھ کر سنایا جو موصوف نے ۱۳ر اگست ۱۹۷۲ء کو جامع مسجد خضراء سمن آباد لاہور میں دس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے افتتاحی اجلاس میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ خطبہ "کلّا انّھا تذکرہ" کے زیرِ عنوان اگست ۱۹۷۶ء کے 'میثاق' میں دوبارہ شائع بھی ہوا ہے ——— بعد ازاں مختار حسین صاحب فاروقی نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک خطاب پڑھ کر سنایا جو "بندگیٔ رب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور جو حسب ذیل آیت کی تشریح پر مشتمل ہے :-

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نبی اکرمؐ کی ایک حدیث کا مطالعہ کرایا جو معاذ بن جبل

سے مروی ہے اور جس کے اندر حکمتِ دین کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو ایک درخت سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ اِس کی جڑ کلمۂ شہادت، اس کا قوام (تنا) اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ صوم رمضان اور صاحبِ استعداد و استطاعت پر حجّ بیتُ اللہ کی ادائیگی ہے اور اس کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس حدیث کا متن اور ترجمہ انجمن کی جانب سے دو ورقہ کی صورت میں شائع ہو چکا تھا جو رفقاء میں تقسیم کر دیا گیا۔ ظہر کے وقت یہ نشست ختم ہو گئی۔

عصر کے بعد عمومی نشست شروع ہوئی۔ عصر تا مغرب پہلی نشست میں ڈاکٹر صاحب نے سُورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کا درس دیا اور مغرب تا عشاء دوسری نشست میں "حقیقت و اقسامِ شرک" کے عنوان پر بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی۔ جس میں خصوصی طور پر موجودہ دور کے "شرک" کی وضاحت فرمائی جو مادّہ پرستی، حاکمیتِ غیر اللہ، خدا نا آشنا اور احکامِ شریعت سے بے نیاز جمہوریت آمریت، اور ملوکیت کے نظریاتِ باطلہ پر مبنی ہے پھر قرآنِ حکیم کے محکم استدلال سے ان تمام باطل نظریات کی تردید کی۔ نیز مثبت طریق پر اس بات کی تشریح فرمائی کہ از روئے قرآن وحدیث "توحیدِ خالص" کیا ہے! —— اس نشست میں مقامی حضرات کثیر تعداد میں شریک تھے جن میں علماءِ کرام بھی تھے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی!

۱۰ر اگست بروز منگل

نو بجے خصوصی نشست کا آغاز ہوا۔ مولانا عبد الرحمن صاحب نومسلم نے "اربعین نووی" میں سے حدیثِ جبریلؑ کا درس دیا۔ جناب منیر احمد صاحب نے جو گوجرانوالہ سے تشریف لائے ہوئے ہیں اور دینی علوم بالخصوص حدیث شریف پر گہری نگاہ رکھتے ہیں "ریاض الصالحین" میں سے کتابُ الطعام کا مطالعہ کرایا جس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے رفقاء کو ہدایت دی کہ کتابُ الطعام کے مطالعہ سے جو آداب اور سُننِ رسولؐ ہمارے سامنے آئی ہیں۔ اُن پر عمل کا آغاز اسی تربیت گاہ سے کر دیا جائے اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اُٹھایا جائے کہ سالن علیحدہ علیحدہ پلیٹ میں ہر رفیق کو دینے کے بجائے کم از کم چار رفیق ایک پلیٹ میں مل کر کھائیں۔ چنانچہ پورے قیام میں اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا نیز کھانا کھانے کی نشست میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کو پیشِ نظر رکھا گیا۔

اسی مجلس میں جناب مختار حسین صاحب فاروقی نے اگست ۱۹۷۶ء کے 'میثاق' میں سے "تنظیمِ اسلامی کا دستور" پڑھ کر سنایا۔ آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حدیثِ جبریلؑ کی مزید توضیح

فرمائی اور اس سے متعلق سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے۔

بعد عصر پہلی نشست اور بعد مغرب دوسری نشست میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورۂ حج کے آخری رکوع کا درس دیا اور شہادتِ حق کی اُس ذمّہ داری کو یاد دلایا جو بحیثیّت اُمّتِ مُسلمہ ہم پر عاید ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے اس امر کی وضاحت کی کہ ختمِ نبوّت کے دلائل میں سے ایک عظیم دلیل اس رکوع میں بھی موجود ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نبوّت و رسالت کا اتمام ہو گیا ہے۔ حضورؐ کے بعد اُمّتِ مُسلمہ بحیثیّت امت شہادتِ حق علی النّاس کے فریضہ کی ادائیگی پر فائز ہے۔

۱۱ر اگست بروز بدھ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب نو مسلم کی طبیعت ناساز تھی اس لیے "اربعینِ نووی" میں سے درسِ حدیث جناب منیر احمد صاحب نے دیا۔ مولانا موصوف نے جہاں ضرورت سمجھی وہاں مزید توضیح فرمائی۔ قرآن خوانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب کا مسئلہ بھی کچھ دیر زیرِ بحث رہا جس کی توضیح مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور شیخ جمیل الرّحمٰن صاحب نے کی۔ البتہ اس پر سیر حاصل گفتگو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی فرمائی (وہ اس مجلس میں شریک نہیں تھے)۔ انہوں نے اس بات پر توجّہ دلائی کہ اصل اُصُول کے طور پر یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ دین میں حُجّت کتابُ اللہ، سُنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور تعامل و آثارِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہے۔ اس کے بعد تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کا مقام آتا ہے اور اس کے بعد کوئی چیز بھی دین میں دلیل و حجت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ ہر معاملہ کو اس کسوٹی پر پرکھنے کی صلاحیّت کو اُجاگر کیجیے اور ان مسائل میں اُلجھنے کے بجائے اصل کام پر توجّہ مرکوز کیجیے جو مطلوب و محبوب ہے اور جس پر نجاتِ اُخروی کا دار و مدار ہے۔ ایسے معاملات میں باہمی افہام و تفہیم کا دروازہ کھلا رکھیے لیکن ان کو موضوعِ بحث و مناظرہ بنانے سے اجتناب کیجیے۔ ایک حدیث میں مسئلہ "قدر" بیان ہوا تھا۔ اِس بارے میں بھی بعض رفقاء کے اذہان میں کچھ اشکالات پیدا ہوئے تھے، جو ڈاکٹر صاحب کے علم میں لائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک ایسی ہی نشست میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلۂ تقدیر پر اظہارِ خیال کیا اور مسئلہ کو سمجھانے کے لیے چند عقلی دلیلیں بھی پیش کیں اور بتایا کہ تقدیر پر ایمان رکھنا ایمان کا جزوِ لازم ہے۔ دراصل یہ ایمان اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت اور صفتِ علم سے متعلق ہے جو ہماری انتہائی محدود عقل اور ذہن کی گرفت میں

آنا بے حد مشکل ہے - اسی لیے نبی اکرمؐ نے اس مسئلہ پر بحث وتمحیص سے منع فرمایا ہے۔

بعد عصر تا مغرب پہلی نشست میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سُورۂ صف کے پہلے رُکوع کا اور بعد مغرب دوسری نشست میں دوسرے رُکوع کا درس دیا جس میں آپ نے تفصیل سے بعثتِ نبویؐ کا مقصد اور اس سلسلہ میں اُمتِ مُسلمہ کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں نیز بتایا کہ حضورؐ کی بعثت کی امتیازی شان اور ختمِ نبوت کی تکمیل کی دلیل نیز اُمتِ مُسلمہ کیلئے اظہارِ دین کے لیے مال اور جان سے جہاد کرنا اس سورۂ مبارکہ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۲ اگست بروز جمعرات

صبح نو بجے سے ایک بجے تک کی نشست میں جناب منیر احمد صاحب نے "اربعینِ نوویؒ" سے چند حدیثوں کا درس دیا۔ مختار حسین صاحب فاروقی نے ڈاکٹر صاحب کے اہم خطاب فریضۂ شہادتِ حق کا اجتماعی مطالعہ کرایا۔ بدھ کو دونوں نشستوں میں سورۂ حج کے آخری رکوع کا درس ہوا تھا جس میں اُمتِ مسلمہ کے اجتبٰی کی غایت شہادت علی النّاس بیان ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب اسی موضوع پر سورۂ بقرہ کی آیت :- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط سے متعلق تھا اس خطاب میں انتہائی محکم استدلال سے بتایا گیا تھا کہ اُمتِ مسلمہ کا اجتماعی نصب العین اور اس کے قیام کی غایتِ اولیٰ شہادت حق علی النّاس ہے۔ گذشتہ شب اس خطاب کے مطالعہ کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس نشست میں چند مقامی حضرات بھی شریک ہوئے تھے۔

عصر کے بعد پہلی نشست میں ڈاکٹر صاحب کے بجائے مختار حسین صاحب فاروقی نے سُورۂ حجرات کی آیات (۱۴ ، ۱۵) کا درس دیا جس میں اسلام اور ایمان کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ بعد مغرب دوسری نشست میں ڈاکٹر صاحب نے "حقیقتِ ایمان" کے موضوع پر نہایت بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی۔ یہ تقریر سوا دو گھنٹہ تک ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت بھی خراب تھی گلا کافی بیٹھ گیا تھا لیکن خدا کی تائید شاملِ حال تھی لہٰذا یہ تقریر انتہائی مربوط و مدلّل تھی۔ یہ تقریر ڈاکٹر صاحب کی بہترین تقاریر میں سے ایک تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس خطاب کو پانچ ابواب میں منقسم کیا تھا۔

پہلا باب لفظِ ایمان کی لُغوی بحث سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ عربی زبان ایک MATHEMATICAL زبان ہے۔ اس کے تناظرے فی صد الفاظ سہ حرفی مادّے (ROOT) سے

سے بنتے ہیں۔ مختلف اوزان میں ڈھل کر اس کے معنی و مفہوم میں مزید اضافے ہوتے ہیں۔ لیکن اِن الفاظ کا بنیادی مادّہ (ROOT) سے تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ وہ بہر حال باقی اور موجود رہتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے لفظِ "علم" بطورِ مثال پیش کیا، جس کا سہ حرفی مادّہ ع، ل، م ہے جس کے معنی "جاننا" ہے، نحو کی رُو سے یہ فعل لازم ہے لیکن جب یہ لفظ باب ثُلاثی مُجرّد میں استعمال ہوگا تو یہ عَلَّمَ یُعَلِّمُ بن جائے گا جس کے معنی بتانا سکھانا ہو جائے گا جو فعلِ متعدّی ہے۔ اسی طرح اسی لفظ علم فعل لازم اور متعدّی سے مختلف اوزان اور مختلف سانچوں میں بے شمار الفاظ بنتے چلے جائیں گے جن کے مختلف معنی ہوں گے لیکن ہر صورت میں اُن کا تعلق اصل مادّہ سے برقرار رہے گا۔ جیسے عالم، علیم، علّامہ، علماءٔ، اعلام، علوم، معلوم اور تعلیم، مُتعلّم، مُعلّم۔ اسی طرح لفظِ ایمان کا اصل سہ حرفی مادّہ ا، م، ن "امن" ہے اور یہ لفظ تقریباً مختلف اوزان اور سانچوں میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جیسے آمن، مومن، مامن، مامون، ایمان وغیرہم۔ اس کے لیے ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ مبارکہ سے مثالیں پیش فرمائیں اور بتایا کہ ہر لفظ کا اپنے اصل مادّہ "امن" سے تعلق برقرار رہا ہے۔

دوسرا باب لفظِ ایمان کی اصطلاحی بحث سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ لفظ جب ہمارے دین میں ایک دینی اصطلاح بنا تو اس کے معنی ہوئے "مان لینا" "تسلیم کر لینا" اور جب اس کے ساتھ "ل" یا "ب" کا صلہ آئے تو اس کے معنی ہوں گے "تصدیق کرنا"۔ "ل" کے صلہ کے ساتھ معنی ہوں گے سرسری یا زبانی تصدیق اور "ب" کے صلہ کے ساتھ معنی ہوں گے دل سے تصدیق اور ایقان کے۔ دینی اصطلاح میں ایمان کے معنی ہوں گے۔ ان تمام اُمُور کی زبان اور دل سے تصدیق کرنا جس کی خبر دی صادق المصدوق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ——— ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ انبیاء و رُسُل انسان کو عُلُوم دنیوی کی تعلیم دینے کے لیے نہیں آتے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمع، بصر، فواد (دل)، اور عقل دی ہے، حواسِ خمسہ عنایت فرمائے ہیں۔ انسان ان صلاحیتوں، قوتوں اور اپنے تجربوں سے کام لے اور دنیا میں ترقی و ارتقاء کی منازل طے کرتا چلا جائے انبیاء و رُسُل عُلُوم غیب کی خبر دینے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ہمیں ایک خاص ذریعۂ علم ہے حاصل ہے، جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں، اور وہ ذریعۂ علم

ہے "وحی"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک برگزیدہ فرشتہ (حضرت جبریلؑ) کے ذریعہ ہمیں عُلومِ غیب سے مطلع اور نوعِ انسانی کی رشد و ہدایت پہ مامور فرمایا ہے۔ وہ بتلاتے ہیں کہ کائنات از خود نہ پیدا ہوئی نہ از خود چل رہی ہے۔ بلکہ اس کا ایک خالق ہے جو اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، اس کا نہ کوئی نِد ہے نہ ضد۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ ساجھی، نہ اس کا کوئی ہم عصر ہے نہ کفو وہی اس کائنات کا مُدبّر ہے۔ ہر آن اور ہر لحظہ اسی کا امر اس کائنات میں جاری و ساری ہے وہ الحیّ القیوّم، الاحد، الصمد العزیز الحکیم ہے۔ پھر یہ انبیاء و رُسُلؑ خبر دیتے ہیں کہ یہ کائنات اور یہ عالم "بالحق" تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مقصد ہے اور یہ انسان کے لیے ایک امتحان گاہ ہے پھر وہ یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ کائنات دائمی و ابدی نہیں ہے بلکہ ایک اجلِ معیّن تک کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ جب وہ معیّنہ ساعت آئی گی تو پورا کارخانۂ ہست و بود فنا ہو جائے گا اور تمام کائنات انسانوں سمیت نیست و نابود ہو جائے گی۔ پھر نفخِ ثانی ہوگا ایک نیا عالم بالکل نئے قوانین کے ساتھ تخلیق کیا جائے گا اور تمام انسان جو آفرینشِ عالم سے لے کر قیامِ قیامت تک پیدا کئے گئے تھے، دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ حشر و نشر ہوگا، حساب و کتاب ہوگا، وزنِ اعمال ہوگا، پُلصراط سے گذرنا ہوگا اور فرمانبرداروں کو، مومنین صادقین کو، ان کو جو ہم پہ نازل کردہ شریعتِ الٰہی کے مطابق دنیا کی زندگی گزار کر آئیں گے، امتحان میں کامیاب قرار دیا جائے گا اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنّت کے باغوں میں داخلہ نصیب ہوگا اور جو طاغی، نافرمان، ظالم، منکر، کافر، ملحد اور منافق ہوں گے وہ نامراد و خاسر ہوں گے اور وہ اپنے کرتوتوں کی سزا پانے کے لیے نارِ جہنّم میں جھونک دیئے جائیں گے ——— ہمارے دین کی اصطلاح میں ان تمام اُمُورِ غیبی کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔

تیسرا باب ایمان کے دو مراتب اور دو مدارج سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ایمان کا پہلا مرتبہ اور درجہ ہے "اقرار باللّسان" جسے دینی اصطلاح میں "شہادت" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دائرہ اسلام میں آنے کی شرطِ اوّل ہے۔ دوسرا مرتبہ اور درجہ ہے "تصدیق بالقلب" جسے آپ حق الیقین اور عین الیقین، دو قرآنی اصطلاحوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پہلا ایمان "اقرار باللّسان" قانونی ایمان ہے جس کسی نے بھی کلمۂ شہادت زبان سے ادا کیا اور تمام اُمُورِ دینی کو کسی حک و اضافہ کے بغیر تسلیم کرنے کا زبانی اقرار کیا، وہ قانوناً مسلمان شمار ہوگا۔ وہ اگر مسلماتِ دین

میں سے کسی کا انکار کرے تو اس کی تکفیر ہوگی جیسے مانعینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کو ماننے والوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں معاملہ کیا تھا اور اُن کے بعد ائمہ مجتہدین ؒ نے نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور جہاد نیز دیگر مسلمات میں سے کسی امر کے منکرین کے لیے تکفیر کے فتاویٰ دیئے اور حال ہی میں پاکستان میں قادیانیوں کی ایک کذاب کو نبی ماننے کے سبب سے تکفیر کی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ آخرت میں جو فیصلے صادر فرمائیں گے وہ اس دنیوی قانونی ایمان یا اسلام پر نہیں ہوں گے۔ بلکہ حقیقی اور قلبی ایمان پر ہوں گے، ہاں ایک استثنیٰ ہے وہ یہ کہ کسی نفاق کے بغیر اگر زبانی اقرار کے ساتھ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی کامل اطاعت کی جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ غفاری و رحیمی کے طفیل یہ اطاعت قبول فرمالے گا جیساکہ سُورۂ حجرات کی آیت ۱۴ کے درس میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمایا کہ اس تصدیق کا تعلق بھی اصل مادہ "امن" سے برقرار رہتا ہے۔ چونکہ "تصدیق" میں امن ہے اور سکون ہے اور تکذیب و انکار میں تصادم ہے، کشمکش ہے، مخاصمت ہے حتیٰ کہ مسلح تصادم کا بھی مرحلہ آجاتا ہے۔

چوتھا باب ایمان و عمل کی بحث سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ منطقی طور پر اگر یقینِ قلبی والا ایمان ہو تو عمل اُس کے تابع ہوتا ہے۔ یہ بات عقلاً محال ہے کہ جس بات پر یقینِ کامل یا ظن غالب ہو، عمل اس کے خلاف ہو۔ اس بات کو ڈاکٹر صاحب نے ان مثالوں سے سمجھایا کہ ہم ذاتی تجربہ کی بنا پر جانتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے لہٰذا کوئی صاحبِ عقل دیدہ و دانستہ آگ میں ہرگز انگلی نہیں ڈال سکتا۔ ہم معتبر ذرائع علم کی بنیاد پر جانتے ہیں (حالانکہ اس "جاننے" میں ذاتی تجربہ شامل نہیں) کہ سنکھیا مہلک ہے۔ لہٰذا ہم سنکھیا کے استعمال سے کُلّی اجتناب کرتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ تمام سانپ زہریلے نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود اس گمانِ غالب کی وجہ سے کہ کہیں یہ سانپ زہریلا نہ ہو، ہم ہر سانپ سے بچتے ہیں۔ یہی کیفیتِ قلبی ایمان کی ہوتی ہے کہ ایک ایسے بندۂ مومن سے دانستہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو ہی نہیں سکتی جسے قلبی ایمان کی دولت نصیب ہو۔ پھر اس قلبی ایمان کے مدارج مثلاً مقامِ رضا و تسلیم۔ مقامِ صبر و مصابرت مقامِ توکل اور مقامِ تفویض الامر الی اللہ پر ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے روشنی ڈالی نیز ان ائمہ کے اقوال کا تجزیہ کیا جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دراصل وہ معاملہ کے دو رُخ ہیں ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی کہ "الایمان قول لا یزید ولا ینقص" بھی سو فیصد درست

ہے۔ چونکہ اس کا تعلق قانونی ایمان سے ہے جس کا دوسرا نام ہے اقرار باللّسان ؛ اور اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ بھی سوفیصد صحیح ہے۔ اس کا تعلق دل والے یقین و ایمان سے ہے جس کا دوسرا نام ہے تصدیق بالقلب۔ ڈاکٹر صاحب نے بے شمار احادیث اور عقلی و نقلی دلائل سے اپنے اس موقف کو ثابت کیا کہ یہ دونوں اقوال صد فی صد درست ہیں البتہ ان کا محل علیٰحدہ علیٰحدہ ہے۔

پانچواں باب ایمان اور جہاد کے باہمی تعلق سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ میں سورۂ حجرات کی یہ آیت ۱۵ تلاوت فرمائی :۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	حقیقی مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس
بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا	کے رسولؐ پر ایمان لائے (اس شان سے) کہ پھر
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اس میں کوئی شک نہیں کیا۔ (سچا اور پکا یقین رکھا)
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○	اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں

سے جہاد کیا (کشمکش کی، محنت کی، خود کو بھی کھپایا اپنے مالوں کو بھی کھپایا) تو بس صرف یہی لوگ (اپنے دعوئ ایمان) میں صادق القول ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ قرآن مجید میں یہ منفرد مقام ہے جہاں ایمانِ حقیقی کی جامع و مانع تعریف کی گئی ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں ایمان کے دو ارکان بیان ہوئے ہیں۔ پہلا رکن ہے "ہر شک و شبہ سے بالا اور ہر تشکیک و ریب سے بے نیاز اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان" "حقیقی و قلبی ایمان" ——— اور دوسرا رکن ہے "اللہ کی راہ میں مجاہدہ" اس کے دین کی تبلیغ و قیام کے لیے پیہم محنت، مسلسل جدّ و جہد، باطل سے تصادم اور کشمکش اور اس کی انتہائی معراج ہے قتال فی سبیل اللہ جیسا کہ ہم سورۂ صف میں پڑھ آئے ہیں کہ :۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ	بے شک اللہ تو اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے
فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ	جو اس کی راہ میں قتال (جنگ) کرتے ہیں ——
مَّرْصُوْصٌ ○	صف بستہ ہوکر، جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار

ہوں !!

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ شہادت، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صومِ رمضان اور صاحبِ استطاعت کے لیے حجِ بیت اللہ شریف —— ارکانِ اسلام ہیں جیسا کہ

حدیثِ جبریلؑ میں "اسلام" کی تعریف میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اِن امور کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے۔ یہ "اقرار باللسان" کے لازمی تقاضے ہیں، ان ہی امور کو عماد الدین بھی کہا گیا ہے۔ یعنی یہ امور بمنزلہ ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی کا قصر تعمیر ہوگا۔ ستون دراصل عمارت کو سہارا دینے اور اس کا بوجھ سنبھالنے کے لیے لازمی اور لابدی ہیں۔ لہٰذا یہ ارکان قصرِ اسلام کے ستون ہیں۔ باقی رہا حقیقی ایمان، دل والا یقین تو اس کے دو رکن سورۂ حجرات کی اس آیت ۱۵ میں بیان ہوئے ہیں۔ اسی بات کو دوسرے اسلوب سے سورۂ صف اور سورۂ والعصر میں بھی جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ صف میں فلاحِ اُخروی کی لازمی شرائط کے طور پر ایمان باللہ، ایمان بالرسالت (جن میں اعمالِ صالحہ خود بخود شامل ہیں) اور جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ کو پھر سُن لیجئے فرمایا :-

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ یعنی عذابِ الیم سے چھٹکارا پانے کے یہ ناگزیر لوازم ہیں۔ سورۂ والعصر میں فرمایا :-

وَالْعَصْرِ ٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٥

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ایمان کے ساتھ جہاد دراصل حمیّت و غیرتِ دینی کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اس کے بغیر کوئی انفرادی عبادت، کوئی زہد اور کوئی ریاضت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے وہ حدیث سنائی جو امام بیہقیؒ اسناد کے ساتھ اپنے مجموعۂ احادیث میں لائے ہیں اور جس کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے مرتب کردہ خطباتِ جمعہ میں سے ایک خطبہ میں داخل کیا ہے۔ حدیث سنانے اور اس کی شرح و تفسیر بیان کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ حدیث ہر حسّاس مومن کے جسم و جان پر لرزہ طاری کرنے والی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی زہد اور عبادت، اوراد و وظائف درحقیقت امر بالمعروف نہی عن المنکر اور تواصی بالحق کے بغیر جو جہاد فی سبیل اللہ ہی کے مترادف قرآن مجید کی اصطلاحات میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پرِ کاہ سے بھی زیادہ وزن نہیں رکھتے۔ جیسا کہ

اس حدیثِ قدسی میں بیان ہوا ہے ـــــ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حسبِ ذیل حدیث سنائی :-

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا" قَالَ فَقَالَ: "يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ" قَالَ فَقَالَ: "اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ!"

(امام بیہقیؒ بحوالہ خطبات الاحکام تالیف مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(ترجمہ) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السّلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت الٹا دو!" حضورؐ نے فرمایا کہ اس پر حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ پروردگار! ان میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے چشم زدن کی مدّت بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی! آنحضورؐ نے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ الٹ ڈالو انہیں پہلے اس پر پھر دوسروں پر، اس لیے کہ اس کے چہرے کی رنگت کبھی میری (غیرت اور حمیّت کی) وجہ سے متغیّر نہیں ہوئی!"

اس خطاب میں مقامی حضرات بڑی کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے، جن میں علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریّت تھی۔ تقریر کے بعد مقامی شرکاء سے درخواست کی گئی کہ وہ واپسی میں مکتبہ سے یا رفقاء سے وہ فارم حاصل کریں۔ جس کے ذریعہ شرکاء کے نام، پتے اور دیگر کوائف اور ان کے تأثّرات نیز مشوروں کا حصول مطلوب ہے اور یہ فارم پُر کر کے کل جمعہ کے درس میں لیتے آئیں۔ اس کے بعد دعا پر یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

۱۳ اگست بروز جمعہ

جمعہ کے دن کی وجہ سے صبح کی نشست ۸ بجے شروع ہوئی جس میں مختار حسین فاروقی صاحب نے ماہنامہ 'میثاق' کے ایک شمارے سے ڈاکٹر صاحب کا مقالہ پڑھ کر سنایا جس میں ڈاکٹر صاحب نے اُمّتِ مسلمہ کے زوال اور پھر اُس زوال و انحطاط کے ردِّ عمل کے طور پر عالمِ اسلام میں تقریباً ایک ڈیڑھ صدی قبل سے جو احیائی عمل شروع ہوا ہے، اس کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور نہایت مستحکم دلائل سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پاکستان میں انشاء اللہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور دین کا احیاء مقدّر ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں وقت لگے گا اور اس کام کے لیے ایسے فدائیوں اور جاں نثاروں

کو اپنے جان و مال کھپانے ہوں گے، جن کے سامنے کوئی "حُبِّ عاجلہ" نہ ہو۔ جو وقتی و ہنگامی ترغیبات سے دامن بچا کر صرف رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی کے لیے، غلبۂ دین کے لیے اُسی طریق سے مسلسل و پیہم جدّ و جُہد کریں جس طریق پر خاتم النبیّین سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کے دین کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ یہ نشست دس بجے ختم ہو گئی تاکہ رفقاء جمعہ میں شرکت کے لیے ضروری تیاری کر لیں

خطبہ جمعہ

راولپنڈی کی مشہور جامع مسجد اہل حدیث موہن پورہ کشمیر روڈ کے خطیب جناب مولانا حبیب الرّحمٰن صاحب، مسجد کمیٹی کے صدر جناب حاجی محمد ابراہیم صاحب نیز اس مسجد سے متعلق چند دوسرے حضرات تقریباً پابندی سے ڈاکٹر صاحب کے درُوسِ قرآن اور خطابات میں شرکت فرما رہے تھے۔ مزید براں ۶ر اگست کو بعد نمازِ مغرب اسی مسجد میں ڈاکٹر صاحب قرآنِ حکیم کا ایک درس بھی دے چکے تھے۔ ان حضرات نے ۱۳ر اگست کے خطبہ جمعہ کے لیے ڈاکٹر صاحب کو دعوت دی جو بصد شکریہ قبول کر لی گئی۔ اس خطبہ جمعہ میں ڈاکٹر صاحب نے سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع کے حوالہ سے احکامِ جمعہ اور پہلے رکوع کے حوالے سے حکمتِ جمعہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ "نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا منہجِ انقلاب اور تبلیغ و اصلاح کا اسلامی طریقِ کار اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ مبارکہ میں بیان فرمایا ہے :- هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ اس آیت میں جو چار اصطلاحات تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت بیان ہوئی ہیں اُن پر تو میں اِنْ شاءَ اللہ آج مغرب کے بعد وضاحت سے عرض کروں گا جب ہم سورۂ جمعہ مکمل کا مطالعہ کریں گے۔ میں یہاں آپ حضرات کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نبی اکرمؐ کے اسی اساسی طریق کو دوام عطا کرنے کے لیے جمعہ کے خطبہ کا انتظام فرمایا گیا ہے۔ نمازِ جمعہ کی حقیقی اہمیت خطبۂ جمعہ ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے بموجب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ جمعہ میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور اس سے تذکیر فرماتے تھے۔ خطبۂ جمعہ دراصل "ذکر" ہے، جس کے معنی ہیں یاد دہانی۔ اسی لیے اس رکوع کی پہلی آیت میں فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ط فرمایا گیا ہے اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن حکیم کو بھی "ذکر" اور "ذکریٰ" فرمایا گیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ط تو نصِّ قطعی ہے کہ "ذکر" سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

حضورؐ نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ کی عموماً تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہی دو سورتیں حضورؐ نمازِ عیدین میں بھی اکثر پڑھا کرتے تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز میں ان سورتوں کی تلاوت کا معمول حکمت سے خالی نہیں خطبہ جمعہ کا مقصد تذکیر ہے اور ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تذکیر کا حکم دیا ہے۔ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ٥ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ٥ ”پس ! آپ تذکیر فرماتے رہیئے کہ یہ یاددہانی نفع پہنچائے اور جس کو خدا کی خشیت حاصل ہوگی سو وہ اس تذکیر سے سمجھ جائے گا“ سورۃ الغاشیہ میں فرمایا فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ ٥ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ”اے نبی آپ یاددہانی کرتے رہیئے آپ اُن پر داروغہ نہیں ہیں“ —— ہر انقلابی اور سیاسی پارٹی کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے اور اپنے کارکنوں کو اپنے نصب العین سے وابستہ رکھنے، ان میں نیا جوش و ولولہ پیدا کرنے اور ان کو عمل پر ابھارنے کے لیے ہفتہ وار یا ماہانہ عام جلسے منعقد کرے۔ اس کے لیے ہر پارٹی کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اسے ہر شخص جانتا ہے، اشتہار دیئے جاتے ہیں، پوسٹر لگائے جاتے ہیں، کسی نامی گرامی لیڈر اور شعلہ بیان مقرر کی شرکت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ پھر شامیانوں، روشنی اور فرش و فروش اور اسٹیج کے انتظامات پر ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ سینکڑوں کارکن اپنی توانائیاں لگاتے ہیں۔ اس طرح چار پانچ سو یا اس سے زائد لوگ جمع ہو جائیں تو جلسہ کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔ اب دینِ فطرت ”اسلام“ میں دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے ”نظامِ جمعہ“ کی صورت میں اپنی کتاب ہدایت قرآن مجید اور اپنے نبیؐ کی سُنّت کے ذریعہ مسلمانوں کے لیے کیسا ارفع و اعلیٰ انتظام فرمایا ہے۔ جمعہ اور خاص کر خطبۂ جمعہ کی اہمیّت کو ہر مسلمان کے دل و دماغ پر ثبت کرنے کے لیے پہلی ساعت میں آنے والے کو اونٹ کی قربانی، دوسری ساعت میں آنے والے کو گائے کی قربانی، تیسری ساعت میں آنے والے کو بکری یا مینڈھے کی قربانی کے اجر و ثواب کا نبی اکرمؐ کی جانب سے مژدہ سنایا گیا ہے۔ اس کے بعد آنے والوں کو بالترتیب اللہ کی راہ میں ایک مرغی اور انڈا دینے کے ثواب سے بہرہ مند ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے اور پھر خطبۂ جمعہ کی اہمیّت کو مزید واضح کرنے کے لیے حضورؐ نے فرمایا کہ جب امام یا خطیب خطبہ کے لیے منبر پر آجاتا ہے تو وہ فرشتے (جو حاضری درج کرنے کے لیے مقرر ہوتے ہیں، اپنے رجسٹر بند کر دیتے ہیں) بھی خطبہ سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ یہاں حدیث میں خطبہ کی جگہ حضورؐ نے لفظ ”ذکر“ بیان فرمایا ہے، چنانچہ حدیث کا آخری حصہ

یہ ہے کہ فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ" (متفق علیہ)
مزید براں حضورؐ نے جمعہ کو عیدِ مومنین قرار دیا ہے اور مختلف اسالیب سے ترغیب دی ہے کہ لوگ جمعہ میں شرکت کے لیے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور مقدور ہو تو خوشبو لگا کر آئیں۔ اس پاکیزہ اور معطّر ماحول میں کوئی نائبِ رسولؐ (امام و خطیب) منبرِ رسولؐ پہ کھڑا ہو کر اُسی عمل کی تجدید کرے جو حضورؐ کا معمول رہا ہے یعنی خطبۂ جمعہ میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرے اور اس کے ذریعہ لوگوں کی تذکیر ہو اور ان کو معلوم ہو کہ وہ دنیا میں خیرِ اُمّت اور اُمّتِ وسط کس کام کے لیے بنائے گئے ہیں اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اُمّت کے ذمّہ کیا فریضہ عاید فرما گئے ہیں ——
لیکن جس طرح ہماری دوسری فرض عبادات کا محض ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے، رُوح غائب ہو چکی ہے اسی طرح خطبۂ جمعہ کا اصل مقصود نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے اور اُس کی اصل رُوح نہ خطیبوں کے پیشِ نظر باقی رہی ہے اور نہ ہی سامعین ہی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو خطبۂ جمعہ سے کیا حاصل کرنا ہے، اِلّا ماشاء اللہ! بس ایک رسم ہے جو جاری ہے لیکن ؎

"کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی"

اگر خطبۂ جمعہ کی اصل غایت ہمارے خطیبوں اور سننے والوں کے پیشِ نظر ہو اور وہ واقعی خلوص کے ساتھ اس ہفتہ واری عملِ تذکیر پر عمل پیرا ہوں تو دیکھتے دیکھتے ہماری دینی و اخلاقی حالت میں ایک صالح انقلاب آسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جمعہ خاص کر خطبۂ جمعہ کی اہمیّت کی وضاحت کے لیے نبی اکرمؐ کے بعض ارشادات کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "میرا دل چاہتا ہے کہ منبر پر اپنی جگہ کسی اور کو کھڑا کروں اور مدینہ میں گشت کر کے دیکھوں کہ جو لوگ بلا عذر جمعہ میں شریک نہیں ہوتے ہیں اُن کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ لیکن پھر خیال آتا ہے کہ گھروں میں معصوم بچے اور خواتین بھی ہوں گی" (اوکما قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) —— دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے بلا عذر تین جمعے ترک کر دیئے تو اللہ کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ شخص یہودی ہو کر مرتا ہے یا نصرانی ہو کر" (اوکما قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم)

اس خطبہ میں بحمد اللہ اہلِ حدیث حضرات کے علاوہ بڑی کثیر تعداد میں احناف بھی شریک ہوئے تھے۔ نماز کے بعد مسجد کے خطیب جناب مولانا حبیب الرّحمٰن صاحب اور مسجد کمیٹی کے صدر جناب

حاجی محمد ابراہیم صاحب نے بڑے اصرار کے ساتھ ڈاکٹر صاحب اور تربیت گاہ کے اقامتی رفقاء کی ٹھنڈے مشروب سے تواضع کی۔

جمعہ بعد عصر کی نشست

جمعرات (۱۱ر اگست) کی شام کی نشست اور جمعہ (۱۲ر اگست) کو نماز کے بعد ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ جمعہ کو نمازِ عصر کے بعد درسِ قرآنِ حکیم کی پہلی نشست نہیں ہو گی۔ صرف نمازِ مغرب کے بعد والی نشست ہو گی، جس میں سورۂ جمعہ کا درس ہو گا۔

شام کے اوقات میں تربیت گاہ میں مقیم رفقاء کی ایک خصوصی نشست ہوئی۔ جس میں شیخ جمیل الرحمٰن صاحب اور مختار حسین صاحب فاروقی نے ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم خطاب "اقامتِ دین" پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جولائی، اگست اور ستمبر ۱۹۷۳ء میں کراچی میں ہر ماہ مسلسل جمعہ کے خطابات میں بالترتیب "دعوتِ بندگیٔ رب" ۔ "فریضۂ شہادتِ حق" اور "فریضۂ اقامتِ دین" کے اہم موضوعات پر قرآنِ حکیم کی روشنی میں اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ پہلے دو خطابات کراچی کی انجمن نے اپنے طور پر شائع کرا دیئے تھے۔ تیسرے خطاب "فریضۂ اقامتِ دین" کی طباعت کی ابھی نوبت نہیں آئی۔ پہلے دو خطابات ان مخصوص نشستوں میں پڑھے جا چکے تھے۔ اس آخری خطاب کے مطالعہ سے دینِ حق کے مطالبات واضح طور پر رفقاء کے سامنے آ گئے۔ اس نشست میں مقیم رفقاء کے علاوہ چند مقامی حضرات نے بھی شرکت فرمائی۔

جمعہ بعد نماز مغرب کی نشست

کھڑے ہو کر ڈیڑھ گھنٹہ تک خطبۂ جمعہ دینے کے بعد ڈاکٹر صاحب بے حد تھک گئے تھے یوں بھی روزانہ دروسِ قرآنِ حکیم، قیام اللیل اور دیگر مصروفیات اور بے آرامی کے باعث موصوف کی طبیعت کافی مضمحل تھی۔ خاص طور پر گلا بے حد متاثر تھا، جس کے لیے ڈاکٹر صاحب انتہائی مضرِ صحت دوائیاں استعمال کر رہے تھے تاکہ پروگرام کے مطابق درس اور خطابات انجام پا سکیں لیکن ان تمام باتوں کے علی الرغم مغرب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سورۂ جمعہ کا درس دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہمارے منتخب نصاب میں سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کو اہم خصوصیت حاصل ہے۔ سورۂ صف میں نبی اکرمؐ کی امتیازی شان اور بعثت کا تکمیلی مقصد بیان ہوا ہے اور حضورؐ کے فرائضِ منصبی میں "اظہارِ دین" بالفعل شامل کیا گیا ہے جو کسی اور نبی و رسول کے ذمّہ نہیں لگایا گیا تھا۔ نبی اکرمؐ کے ختم الرسل و انبیاء ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضورؐ کی امتیازی اور تکمیلی شان یہ ہے کہ حضورؐ نے

دینِ حق بالفعل جزیرہ نمائے عرب پر قائم اور نافذ فرما دیا تھا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس آیتِ کریمہ کو قرآن مجید کے عمود کا مقام حاصل ہے اور ان کے نزدیک اس کا کامل ظہور اس وقت ہوگا جبکہ تمام عالم پر اللہ کا دین غالب ہوگا اور یہ کام ختمِ نبوت و رسالت نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امتِ مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے ۔۔ نبی اکرمؐ کے مقصدِ بعثت کی انجام دہی کے لیے اساسی طریق کار سورۂ جمعہ میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ سورۂ صف اور سورۂ جمعہ میں باہمی ربط یہی ہے کہ سورۂ صف میں حضورؐ کا خصوصی مقصدِ بعثت لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ کے الفاظ مبارکہ میں ہوا ہے یعنی اللہ کے آخری نبی 'الہدیٰ' (قرآن مجید) اور دین الحق (حق تعالیٰ سبحانہ کے نازل کردہ دین) نظامِ حیات کو ہر نظامِ اطاعت (عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ) پر غالب فرما دیں۔ یہی حضورؐ کا امتیازی مقام ارفع اور یہی ختمِ نبوت کی تکمیلی شانِ اعلیٰ ہے اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ایک شوشہ کے تغیر کے بغیر قرآن مجید میں تین جگہ (سورۂ توبہ، سورۂ فتح اور سورۂ صف) میں وارد ہوئی ہے۔ غلبۂ دینِ حق کے لیے نبی کریمؐ کا اساسی طریق کار اس سورۂ جمعہ میں اس آیتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے :۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ یہی چہارگانہ امور قرآنِ کریم میں دوسرے تین مقامات پر وارد ہوئے ہیں (ایک سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹ میں دعائے خلیل علیہ السلام کی صورت میں، دوسرے اسی سورۂ بقرہ آیت ۱۵۱ میں اور تیسرے سورۂ آلِ عمران آیت ۱۶۴ میں) ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس الفاظ کی کمی نہیں۔ لیکن جب قرآن مجید میں ایک ہی لفظ یا اصطلاح بار بار استعمال ہو تو اس میں کوئی خصوصی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا خصوصی و تکمیلی مقصد دینِ حق کا بالفعل غلبہ بیان فرمائے اور اس کام کے لیے اساسی طریق کار معین نہ فرمائے اور اس کی طرف رہنمائی نہ کرے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ان کے نزدیک دینِ حق کی اقامت اس کے اظہار (عربی میں اظہار کے معنی غلبہ کے ہیں) کا اساسی طریق کار سورۂ جمعہ کی اس آیتِ مبارکہ میں بیان ہوا ہے :۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ اس آیت میں

ھُوَ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے، جس کی شان یہ ہے کہ : یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ اسی اللہ نے جس کی تسبیح (قولی بھی اور عملی بھی) آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کر رہی ہے۔ جو اَلْمَلِکُ ہے ارض و سما کا بادشاہ مطلق۔ جو اَلْقُدُّوْس ہے، ہر عیب، کمزوری اور نقص سے پاک اور منزّہ۔ جو اَلْعَزِیْز ہے، زبردست اور غالب۔ جس کے اختیارات پر کوئی تحدید نہیں، جو مطلق العنان ہے جو اَلْحَکِیْم ہے، جس کا کوئی کام عبث، باطل اور بے کار نہیں، جس کے ہر کام میں حکمت و دانائی، عدل و انصاف اور کامل اعتدال و توافق ہے اسی اللہ نے اُمِّیِّیْنَ (بنی اسمٰعیل) میں جن کے ہاں لکھنے پڑھنے کا خاص دستور اور رواج نہیں تھا اور جن کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب تھی۔ ان ہی میں سے ایک رسول اٹھایا جو ان کو اللہ کی آیات سُناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہاں ایک صفت "اَلْمَلِک" استعمال ہوئی ہے۔ اُسی کی رعایت سے رسول ؐ کے ذمّہ یہ کام ہوا کہ وہ اس پادشاہِ ارض و سما کے فرامین اور آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ کا یہی مفہوم ہے۔ آفاق میں ہر چہار طرف اس مالک الملک کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، جو زبانِ حال سے بیان کر رہی ہیں کہ اُن کا کوئی خالق، صانع، موجد، مُدبّر، بدیع اور مصوّر ہے۔ جو اپنی ذات و صفات میں اکیلا اور یکتا ہے۔ خود انسان کے اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ اللہ کے رسول قرآنی آیات کے ذریعہ ان نشانیوں کی طرف انسانی ذہن کو منتقل کرتے ہیں۔ آیت کا اصل مطلب نشانی ہے اور نشانی کا مفاد یہ ہوتا ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ ہستی یاد آجائے جس کی نشانی سامنے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اپنی توحید کی معرفت الہامی طور پر ودیعت کی ہے۔ اس پر غلط ماحول، غلط تعلیم اور غلط افکار سے حجابات طاری ہو جاتے ہیں۔ نبیؐ قرآنی آیات کے ذریعہ ان حجابات کو دُور کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے مالک الملک ہونے کا تصوّر انسانی فکر میں اُجاگر ہوتا ہے اور غلط افکار کی تطہیر ہو جاتی ہے۔ یہاں تلاوتِ آیات سے قرآنِ حکیم کا وہ حصہ مراد لیا جاتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات و احقاق، شرک کا ابطال و تردید اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے اور اعمال کی جزا و سزا واقع ہونے پر محکم استدلال کیا گیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت "اَلْقُدُّوْس" آئی۔ لہٰذا رسول ؐ کے ذمّہ یہ کام لگایا گیا کہ جو لوگ اللہ کی وحدانیّت، حشر و نشر

جزا و سزا اور رسالت پر ایمان لے آئیں، تو پھر اعمالِ صالح کی تعلیم اور خمائمِ اخلاق سے اجتناب کی تلقین سے اُن کا تزکیہ کیا جائے۔ عربی میں عملِ تزکیہ اس کام کو کہتے ہیں کہ باغبان جو پھل اور پھول کے پودے لگاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی خود رَو جھاڑ جھنکار بھی اُگ آتا ہے جو پودے کی اس کی نشوونما باغبان کو مطلوب ہے، غذا اخذ کرتا رہتا ہے اور اس طرح اس پودے کی نشوونما میں خلل واقع ہوتا ہے۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کے باغ کا ایک پھول ہے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ پھولا پھلے پھُولے۔ اس کی مہک سے ماحول معطر ہو لہذا نبیؐ کے ذمہ یہ کام ہوتا ہے کہ وہ دل کی کھیتی میں ایمان کی تخم ریزی کے بعد ذمائمِ اخلاق کے جھاڑ جھنکار کو دُور کرے تاکہ اس پودے کے نشوونما میں وہ آڑے نہ آسکیں اور اس میں "قدوسیت" کی شان پیدا ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت "العزیز" استعمال ہوئی ہے۔ جب وہ العزیز ہے تو یہ اُسی کا حق ہے کہ اس کے قانون کی اطاعت ہو لہذا رسولِ کریمؐ کا تیسرا منصب یہ قرار دیا گیا کہ جب ایمانِ حقیقی کا بیج دل کی کھیتی میں جڑ پکڑ لے اور جب بندۂ مومن اعمالِ صالح کا خوگر اور ذمائمِ اخلاق سے مجتنب ہو جائے تو اب اس میں بے چون و چرا احکام اور اوامر و نواہی قبول کرنے کی صلاحیت درجۂ کمال تک پہنچ جائے گی۔ ہر امر و نہی کے لیے صرف یہ بات کافی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کام سے روک دیا ہے۔ چنانچہ یہاں تعلیم کتاب سے مراد شریعت کی تعلیم ہے قرآن مجید میں اکثر احکام کُتِبَ کے لفظ کے ساتھ آئے ہیں۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے امتناعِ شراب کی مثال پیش فرمائی کہ عرب جو شراب کے رسیا تھے۔ جن کی زبان میں شراب کے لیے بے شمار الفاظ ہیں، جس سے شراب سے اُن کے تعلقِ خاطر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لیکن جب مدینہ میں منادی کرنے والے نے منادی کی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے شراب حرام کر دی ہے تو جس کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا، اس کا ہاتھ وہیں رُک گیا جس نے شراب کا گھونٹ لے لیا تھا، اُس نے اُس گھونٹ کو حلق میں ڈالنے کی بجائے اُس کی کُلّی کر دی، جس کے حلق سے اس منادی کو سننے وقت گھونٹ معدے میں اُتر چکا تھا، اُس نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی۔ شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے اور ذخیرے بہا دیئے گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہنے لگی، جیسے بارش کا پانی ——— اس کے برعکس ۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء میں امریکہ میں امتناعِ شراب کا قانون عوام کے نمائندوں نے منظور کیا۔ اس قانون کی منظوری سے قبل تقریباً ۵ سال تک ابلاغ اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع کو کام میں لے کر شراب کی مضرتوں سے امریکی قوم کو آگاہ کیا گیا۔ لیکن

ے:۔ "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے مصداق اس قانون کی دھجیاں بکھیر دی گئیں اور امریکی قوم کا ایوانِ نمائندگان اس قانون کو واپس لینے پر مجبور ہوگیا۔ جس اُمّ الخبائث کی مضرت پر پوری قوم متفق ہو چکی تھی، لیکن وہ اُسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی لہٰذا اُسے "حلال" کر دیا گیا یہ اس لیے ہوا کہ امریکی قوم کی پشت پر ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کی اساسات موجود نہیں تھیں وہ ہدایتِ ربانی سے تہی دست تھی ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ایک بندۂ مومن کے لیے کسی کام کو اختیار اور ترک کرنے کے لیے صرف یہ دلیل کافی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اس کام کو اختیار یا ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ "الحکیم" ہے لہٰذا اُس کا رسولؐ اوامر و نواہی کی حکمت کی تعلیم دینے پر بھی مامور ہے اور یہ حکمت قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے اور حدیث شریف میں بھی لیکن خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ کسی امر یا نہی کی حکمت سمجھ میں آنا یا نہ آنا ایک دوسری بات ہے۔ "حکمت" ایک خیر ہے اور یہ کم لوگوں ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ ہمارے لیے بس یہ دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کام کو اختیار کرنے یا اس کو ترک کرنے یا اس سے رُک جانے کا حکم دیا ہے۔ حکمت بھی سمجھ میں آجائے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ اس آیت پر مزید غور و تدبّر کریں تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ تلاوتِ آیات، عملِ تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت اِن چاروں اصطلاحات سے مراد "قرآن مجید" ہے۔ یہی منبع ایمان و یقین ہے۔ تزکیہ کے لیے یہی نسخۂ کیمیا ہے۔ احکام (اوامر و نواہی) اسی کتابِ حمید میں بیان ہوئے ہیں۔ حکمت اسی الہدیٰ میں مستور ہے۔ احادیث شریفہ اسی کتاب کی شرح و تفسیر اور تبیین ہیں۔ گویا اگر یہ کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا آلۂ انقلاب و اصلاح ــــ (INSTRUMENT OF REVOLUTION AND REFORM) یہ قرآن مجید اور فرقانِ حمید ہے تو یہ بالکل صحیح ہوگا ـــــــ انذار اسی قرآن سے تبشیر اسی قرآن سے، تبلیغ اسی قرآن کے ذریعہ، تزکیہ اسی قرآن سے، دعوت اسی قرآن سے غرض کہ اسلامی انقلاب، دینِ حق کا قیام و اظہار اس کتاب کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہر انقلابی دعوت کا ایک مخصوص طریق کار ہوتا ہے جس کو اختیار کیے بغیر کامیابی موہوم ہوتی ہے۔ اشتراکی انقلاب لانا ہو تو طبقاتی شعور بیدار کرنا ہوگا۔ پھر ان طبقات میں باہمی نفرت کا بیج بونا ہوگا۔ پھر توڑ پھوڑ، دہشت گردی اور تصادم کو جنم دینا ہوگا۔ قانون شکنی، خون ریزی اور لوٹ مار کرنی ہوگی، جب کہیں جاکے اشتراکی انقلاب ممکن ہوگا۔ کوئی سیاسی تبدیلی پیشِ نظر ہو تو برسرِ اقتدار

پارٹی کے خلاف اقتدار سے محروم پارٹیوں کو حزبِ اختلاف کے نام سے متحد کرنا ہوگا۔ چاہے ان پارٹیوں کے نظریات میں بُعد المشرقین ہو پھر برسرِ اقتدار پارٹی اور اس کے سربراہوں پر تلخ و تند تنقیدیں کرنی ہوں گی۔ ان کو بدنام کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ذرائع اختیار کرنے ہوں گے، نعرے لگائے جائیں گے مظاہرے ہوں گے، جلسے جلوس ہوں گے، ہڑتالیں ہوں گی، مزدوروں اور طلبہ کو ان کے جذبات بھڑکا کر غلط استعمال (EXPLOIT) کیا جائے گا، قانون شکنی ہوگی، لاٹھی چارج ہوگا، گولیاں چلیں گی۔ اسی قسم کی جوابی کاروائی حزبِ اقتدار کرے گی۔ اپنے مخالفین کی زبان بندی کرے گی، جا و بے جا ان کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کرے گی۔ اس طرح دونوں طرف سے قوم کے اخلاق، سیرت کردار کو خراب سے خراب تر اور تباہ سے تباہ تر کیا جائے گا، قانون کا احترام رخصت ہو جائے گا اور پھر بھی کسی اصلاح اور خیر کی صورت پیدا نہیں ہوگی ——— از روئے قرآنِ حکیم اقامتِ دین، اظہارِ دین، تجدیدِ دین، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، حکومتِ الٰہیہ، نفاذِ شریعت ——— کوئی بھی اصطلاح اختیار کیجئے ——— کے لیے صرف ایک اساسی طریق کار ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید فرقانِ حمید کے ذریعہ غلط افکار، غلط نظریات اور غلط عقائد کی تطہیر کی جائے ——— کشتِ دل میں ایمان کی تخم ریزی ہو، توحید، آخرت اور رسالت پر قلبی یقین پیدا ہو۔ پھر اخلاق و اعمال کا تزکیہ ہو، پھر احکام اور ان کی حکمت کی تعلیم ہو۔ انفرادی زندگی کے ہر دائرہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل کا داعیہ بیدار کیا جائے۔ چونکہ اس دائرہ میں کوئی سیاسی نظام اور کوئی حکومت آڑے نہیں آتی۔ معیشت میں حرام و حلال کی قیود اور معاشرت میں جائز و ناجائز کی حدود کی پابندی کی دعوت دی جائے۔ فرض عبادات کو اس کی جملہ شرائط کے ساتھ ادا کرنے کی تشویق دلائی جائے، محاسبۂ اُخروی سے ڈرایا جائے اور رضاءِ الٰہی کو مقصود و مطلوب کا مقام دیا جائے۔ پھر ایسے لوگوں کی تنظیم ہو۔ سمع و طاعت پر مبنی نظامِ جماعت ہو اور پھر رائج نظامِ باطل کو تبدیل کرنے کی خیر خواہی اور نصح کے جذبہ کے ساتھ اجتماعی جدّ و جہد ہو ———

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ بعثتِ نبوی کے وقت عرب بالخصوص مکّہ میں بے شمار وقتی و ہنگامی مسائل تھے۔ غلام پیسے جا رہے تھے، غریبوں کا استحصال کیا جا رہا تھا۔ سردارانِ قریش کی سیادت اور چودھراہٹ قائم تھی، طاقتور کمزور کو نگل رہا تھا۔ لیکن نبی اکرمؐ نے کسی مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں فرمایا تھا۔ حضورؐ کی دعوت یہ تھی کہ اطیعوا اللّٰہ و اطیعون، 'امنوا باللّٰہ ورسولہٖ' امنوا بالیوم الآخر۔ مکّہ کی ابتدائی نازل شدہ آیات اور سورتوں میں ایمان باللہ، ایمان

بالآخرت، ایمان بالرّسالت کی دعوت ہے اور ذمائمِ اخلاق سے اجتناب کی ترغیب ہے، اللہ کی وحدانیت و توحید پر محکم استدلال ہے۔ قیامت اور آخرت کے واقع ہونے پر ناقابلِ تردید براہین و دلائل ہیں۔ حضورؐ کی رسالت پر شواہد ہیں اور اُن کو قبول کرنے کی دعوت ہے۔ اسی چہار نکاتی دعوت نے سرزمینِ عرب میں زلزلہ پیدا کر دیا، جس کی تعبیر مولانا حالی مرحوم نے کیا خوب کی ہے کہ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ۔۔۔ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اساسی طریق کار تھا کہ جس کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی وہ جماعت منظم ہوئی جو صبر و ثبات، اور استقامت و مصابرت کی ایسی چٹان ثابت ہوئی کہ جس سے ٹکرا کر باطل اور طاغوتی قوّتیں پاش پاش ہوگئیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کو ایمان کی دولت قرآن مجید کے ذریعہ حاصل ہوئی جو شِفَآءٌ لِلنَّاس ہے۔ ابوذر غفاریؓ، طفیل دوسیؓ، عمرؓ بن الخطاب اور آسمانِ اسلام کے بے شمار نجوم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قرآن مجید کا معجزانہ کلام سن کر مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ابوذر غفاری کو جو ایک ایسے قبیلے کے سردار تھے جو خونخوار ڈاکوؤں پر مشتمل تھا۔ زاہد کس نے بنایا؟ قرآن نے اور زاہد بھی کیسا! حضورؐ نے فرمایا کہ جس کسی کو حضرت مسیح علیہ السّلام کا زُہد چشمِ سر سے دیکھنا مقصود ہو تو وہ میرے ساتھی ابوذرؓ کو دیکھ لے۔ عمرؓ بن الخطاب کو فاروقِ اعظم کس نے بنایا؟ قرآن نے! ان پڑھ، اُجڈ، شرابی، جواری، صنم پرست، توہّم پرست اور قبائلی تعصّب و عصبیّت میں مبتلا قوم کو مُعلّمِ اخلاق، توحید پرست، کشور کشا اور بنیانِ مرصوص کس نے بنایا؟ قرآن نے! آج بھی اگر اسلامی انقلاب آئے گا، دین قائم و نافذ ہوگا تو اسی کتاب کے ذریعہ چنانچہ امام دارالہجرۃ صاحب موطّا جناب مالک بن انسؒ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ناقل ہیں کہ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ جس طریقہ سے حضورؐ کے دَورِ اوّل میں اُمّت کی اصلاح ہوئی تھی۔ بگاڑ اور زوال و انحطاط کے آخری دَور میں بھی اگر اُمّت کی اصلاح ہوگی تو صرف اُسی طریقہ سے ہوگی یعنی قرآن مجید، فرقانِ حمید، ہدًی لِلنَّاس کے ذریعہ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کے اصل مخاطب اہلِ ایمان ہیں۔ سورۂ صف میں بنی اسرائیل کے جو امّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام سے قبل اُمّتِ مسلمہ کے مقامِ رفیع پر فائز تھی دو واقعات بطور نشانِ عبرت بیان ہوئے اسی طرح سورۂ جمعہ میں بھی بطورِ عبرت اور تنبیہ بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔ اس ذکر کا مفاد یہ ہے کہ اے امّتِ محمّدؐ، اے حاملانِ قرآن! تم بنی اسرائیل کی سی روش اختیار نہ کرنا جو حاملِ توراۃ بنائے گئے

لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کی اور تورات کو پسِ پشت ڈال دیا :——

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"جن لوگوں کو حاملِ تورات بنایا گیا تھا انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو (یہ کتابیں گدھے کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں) بہت ہی بُری حالت ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ کی آیات کی "تکذیب" کی اور اللہ ایسے ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس آیتِ مبارکہ میں دو الفاظ خاص طور پر قابلِ غور و توجہ ہیں پہلا لفظ "حمل" ہے جس کے معنی ہیں بوجھ کو اٹھا کر دوسری جگہ پہنچانا۔ لہٰذا عربی میں "حمّال" مزدور کو کہتے ہیں، جو بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہے۔ یہود حاملِ تورات بنائے گئے تھے، ان کا فرض تھا کہ وہ تورات کے احکام پر خود بھی عمل کریں اور اس کی دعوت بنی نوعِ انسان تک پہنچائیں۔ لیکن انہوں نے دہرا جرم کیا نہ خود اس پر عمل کیا نہ لوگوں تک اس کی دعوت کو پہنچایا۔ ان کے اسی طرزِ عمل کو اس آیت میں "تکذیب" سے تعبیر کیا گیا ہے یہاں یہ دوسرا لفظ خاص توجہ چاہتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہود تورات پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ایمان بالکتاب معتبر ہے، جس کے مطابق عمل ہو۔ اگر کتاب اللہ کے احکام کے مطابق معاملاتِ دنیوی، چاہے وہ انفرادی دائرے سے متعلق ہوں چاہے اجتماعی دائرے سے طے نہ پا رہے ہوں تو اسی کا نام عملی تکذیب ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ .... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ .... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ یہی حال اس وقت کم و بیش اُمّتِ مسلمہ کا ہے ہم حاملِ قرآن ہیں۔ اس کتاب پر ایمان کے ہم مدعی ہیں لیکن عملاً قرآنی احکام کہیں بھی نافذ نہیں انفرادی زندگی میں اور نہ اجتماعی زندگی۔ اسی جرم کے یہود مرتکب ہو کر راندۂ درگاہِ باری تعالیٰ ہوئے۔ ان پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ان پر ذلّت، مسکنت، فلاکت مسلّط کر دی گئی۔ اسی جرم کی پاداش آج من حیث الاُمّت ہم بھگت رہے ہیں —— ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے محدود مطالعہ کے بموجب اقامتِ دین، اظہارِ دین، تبلیغ دین اور نفاذِ شریعت کے لیے محنتیں کرنے، جدّوجہد کرنے اور جان و مال کھپانے کا ازروئے قرآن حکیم یہی اور صرف یہی اساسی طریق کار ہے جو اس آیتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ

بعدہٗ دعا پر یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔ (جاری)

ادارہ

تقریظ و تنقید

ماضی میں مندرجہ بالا عنوان ماہنامہ میثاق کا مستقل عنوان رہا ہے۔
اب ان شاء اللہ اس کو مستقل طور پر جاری رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ ج۔ر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسرؓ اور داماد تصنیف جناب ابو یزید محمد الدین صاحب بٹ۔ چوک شہید گنج۔ لنڈا بازار۔ لاہور، طباعت آفسیٹ۔ قیمت اعلیٰ کاغذ ۱۲ روپے معمولی کاغذ ۱۰ روپے۔

اس تصنیف میں مصنف نے امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ (حضورؐ کے خسر اور پہلے خلیفہ راشد) اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ (حضورؐ کے داماد اور تیسرے خلیفہ راشد) کے متعلق سبائیوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور جھوٹی روایتوں کی مستند احادیث اور تاریخ کے حوالوں سے بڑی دلسوزی سے تردید کی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ چوتھے خلیفہ راشد نے اپنے پیش رو تینوں خلفاء راشدین کے جو مناقب بیان کئے ہیں ان کو جمع کیا ہے۔ موصوف کی اس کتاب پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو تقریظ رقم کی تھی، جو کتاب میں شامل ہے۔ درج ذیل ہے۔

محترم ابو یزید محمد دین بٹ صاحب کی پیش نظر تالیف "حضورؐ کے خسر اور داماد"، کا مسودہ راقم الحروف نے سرسری طور پر دیکھا ہے۔ بٹ صاحب کو عالم و فاضل ہونے کا دعویٰ ہرگز نہیں ہے ان کی تالیفات میں تصنیفی ربط کی تلاش بے سود ہے۔ اسی طرح زبان بلکہ املاء کی غلطیوں پر بھی رکنا نہیں چاہیئے بلکہ اس ظاہری بدزیب پردے کے پیچھے جو صحیح نقطۂ نظر اور اعلیٰ جذبہ کارفرما ہے ساری توجہ اسی پر مرکوز کرنی چاہیئے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری تاریخ کے صدر اوّل میں یہودی اور عجمی سازش کے باعث جو تفرقہ اور تشتت و انتشار پیدا ہو گیا تھا اور اس کے نتیجے میں جو دو انتہائی نقطۂ نظر رکھنے والے گروہ یعنی شیعہ اور خوارج پیدا ہوئے اور

انہوں نے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لئے تاریخ کو جس طرح مسخ کیا اس نے تاریخی روایات کے پورے ذخیرے کو مسموم کرکے رکھ دیا۔ اور نتیجہ صرف یہی نہیں نکلا کہ بقول علامہ اقبالؒ ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ ایک گروہ نے ایک منظم طریقے پر عوام میں روایات کا ایک خاص انتہائی (EXTREME) رُخ اس درجہ عام کر دیا کہ تاریخ کے بارے میں پورا نقطۂ نظر ہی کج ہو کر رہ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خاص گروہ نے اپنے مخصوص تکنیک (TECHNIQUE) کے ذریعے ہٹلر اور گوبلز کے اصول کے مطابق جھوٹی اور خانہ ساز روایات کی دھول اس طرح اڑائی کہ پوری فضا مکدر ہو کر رہ گئی اور اچھے بھلے عالم و فاضل لوگوں کے زبان و قلم پر بھی وہی روایات چڑھ کر رہ گئیں اور تصویر کا دوسرا رُخ نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گیا۔

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں متعدد عظیم شخصیتوں نے فضا کو اس گرد سے صاف کرنے کی کوشش کی جیسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کے خلف الرشید حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ۔

لیکن ایک تو ان حضرات کی تصانیف حد درجہ عالمانہ ہیں جس سے صرف اہل علم ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس تریاق کی زیادہ ضرورت عوام الناس کو ہے جن کے اذہان بُری طرح مسموم ہیں اور دوسرے ان حضرات نے کمالِ احتیاط کے ساتھ اہل سُنت کا معتدل مسلک ہی پیش کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے احترام کے پیش نظر تاریخی روایات سے تصویر کا وہ دوسرا رُخ دکھانے سے احتراز کیا ہے جس سے دوسری انتہائی (EXTREME) صورت سامنے آتی۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اصولاً ہونا بھی یہی چاہیئے اس لئے کہ یہی قرآن مجید کے حکم "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى [1]"

کا تقاضا ہے ۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ بہر حال نکلا کہ تاریخ کے بارے میں نقطۂ نظر میں جو کجی پیدا ہو گئی تھی اس کا ازالہ نہ ہو سکا اور عوام نے کچھ یوں سمجھا کہ یہ معتدل نقطۂ نظر بھی "جواب دعویٰ" کی حیثیت رکھتا ہے ۔ جب کہ حقیقت کہیں ان دونوں کے مابین ہے !

نقطۂ نظر کو واقعۃً درمیانی اور معتدل یعنی "سَوَاءَ السَّبِیل" پر لانے کے لئے ناگزیر ہے کہ تاریخی روایات کے ذخیرے میں سے وہ دوسرا انتہائی رُخ بھی نکال کر سامنے رکھ دیا جائے ۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ عافیت اسی میں ہے کہ ان تاریخی روایات سے قطع نظر کر کے محدّثین کرام نے محنت شاقہ سے چھان پھٹک کر جن روایات کو جمع کیا ہے صرف ان پر اکتفا کیا جائے ورنہ اگر تاریخی روایات کے ذریعے سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شخصیتوں پر چھینٹے اڑائے جا سکتے ہیں تو روایات کے انہی ذخیروں میں سے وہ مواد بھی نکالا جا سکتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شخصیتوں کو بُری طرح داغدار کر دیتا ہے ۔ اس واقعی "جوابِ دعویٰ" کے سامنے آنے ہی سے اُمید ہو سکتی ہے کہ تاریخ کے بارے میں نقطۂ نظر کی کجی کا صحیح طور سے ازالہ ہو اور حقیقۃً معتدل رائے قائم ہو ۔

اس دور میں یہ اہم خدمت علمی سطح پر تو سب سے بڑھ کر سرانجام دی مرحوم محمود احمد صاحب عباسیؒ نے اور عوامی سطح پر یہ کام حد درجہ جوش و خروش کے ساتھ کر رہے ہیں ہمارے محترم ابو یزید محمد دین بٹ صاحب اللہ تعالےٰ اُن کی مساعی میں برکت عطا فرمائے ۔ آمین ۔ خاکسار اسرار احمد عفی عنہ ۔

مسئلہ جنس تہذیب اور اسلام | مجلہ سیریز کا مقالہ ۔ ناشر عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ (رجسٹرڈ) جہلیک ملتان ۔ قیمت ۱۲ پیسے

اس وقت پوری دنیا میں جنسی انارکی وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے ۔ نوجوانوں کی کثیر تعداد جنس زدہ نظر آتی ہے ۔ یورپ و امریکہ سے اس سلسلہ میں ہیجان انگیز لٹریچر، تصاویر، اور فلموں کی یلغار ہو رہی ہے اور اس یلغار کے ہدف اسلامی ممالک بالخصوص اور مشرقی

د افریقی ممالک بالعموم بنائے جارہے ہیں۔ شیطان کا یہ بہت ہی موثر حربہ ہے کہ وہ انسان کو شہوانی جذبات کا ایسا غلام بنا دے کہ وہ انسانیت کے مرتبہ بلند سے اُتر کر حیوان کے مرتبہ اسفل پر آٹکے۔ مندرجہ بالا مقالہ جناب سیّد محمد قطب شہید کے ایک معرکتہ الآرا مضمون کا اُردو ترجمہ ہے، جس میں شہید مرحوم نے نہایت دل نشین انداز اور محکم استدلال کے ساتھ "جنس" کے بارے میں ملحدین اور منحرف مذاہب کے غلط نظریات کی تردید کی ہے اور دینِ فطرت اسلام کا جنس کے متعلق معتدل نظریہ پیش کیا ہے۔ فی الوقت جبکہ فواحش، اختلاط مرد و زن اور مساوات مرد و زن، کے سیلاب کا دھارا ہماری نئی نسل کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے از سرِ نو نئے نعروں اور نئی تکنیک کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس قسم کے مفید کتابچے انتہائی موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس مقالہ کو خود بھی بغور پڑھا جائے اور اس کو نئی نسل میں خوب پھیلایا جائے۔

اسلامی ڈائجسٹ لاہور | ترتیب :۔ حنیف چودھری ۔ ناشر و طابع :۔ ابوالمؤمن ۔

پتہ ۴/۳۰۴ ذوالقرنین چیمبرز گنپت روڈ۔ لاہور قیمت دو روپے پچیس پیسے

ڈائجسٹوں کے نام سے اس وقت ملک میں بے شمار جریدے شائع ہو رہے ہیں۔ جن میں چند کو چھوڑ کر سب کے سب، ہمارے معاشرے بالخصوص نئی نسل کے لئے زہرِ ہلاہل کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے کثیر جریدے لذتیت، جنسیت، فحاشی اور جرم پسندی کے پرچارک ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ طویل داستانوں کے سلسلوں کے ذریعہ "ہندو دیو مالا" کی کھلے بندوں "تبلیغ" ہو رہی ہے۔ ایسے ڈائجسٹوں کا مقصد وحید حبِ مال ہے۔ اسی کمائی میں ان کی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف ہو رہی ہیں۔ قوم کا اخلاق تباہ ہو، فکرِ اسلامی مجروح ہو، اساسات دین منہدم ہوں، صحیح عقائد میں نقب لگے۔ اور قارئین کے قلوب و اذہان میں ریب و شک کے کانٹے چبھیں، اسلامی تہذیب و تمدن اور شعارِ دینی کا دیوالہ نکل جائے۔ ان کی بلا سے ـــ ان کو تو "پیسہ چاہیئے" اور وہ اس طرح خوب حاصل ہو رہا ہے اور یہ صادق المصدوق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے مطابق اپنی آخرت و عاقبت تباہ کر رہے ہیں۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ "تباہ و برباد ہو۔ دینار و درہم کا غلام" ـــــــ اس ماحول میں اسلامی ڈائجسٹ کا اجرا ایک انتہائی نیکی اور بھلائی کا اقدام ہے۔ یہ ڈائجسٹ

باقی صفحہ ۵۳ پر دیکھئے

ادارہ

خطوط و آرا

مکتوب از دوبئی

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں دوبئی کا ماحول عجیب و غریب ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی اور بدھ وغیرہ کا اس طرح مسلمانوں کے ساتھ اختلاط ہے کہ شناخت کرنا مشکل ہوجاتا ہے تاہم مساجد میں اللہ کے فضل سے پاکستانی مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اور میں نے دوبئی کی جامع مسجد جو ایئر کنڈیشن ہے سنبھال رکھی ہے جمعہ کے فوراً بعد ایک گھنٹہ لگاتا ہوں اور تقریر کے ذریعہ قرآن کے پیغام کو پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ بدھ کی رات کو ایک جگہ نوائط برادری بھٹکل، میسور اور ضلع کیرالہ اور مالاباری مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اس میں بھی درس قرآن ایک گھنٹہ دیتا ہوں اور جمعرات کی رات کو عشاء کے بعد جماعت اسلامی کے نورالزماں صاحب کے ہاں جو بنگلہ دیشی ہیں اور ایک انگریزی اخبار کے ایڈیٹر تھے ایسٹ پاکستان کے فسادات کے بعد دوبئی میں عطر وغیرہ کا کام کرتے ہیں بھی ½ گھنٹہ درس دیتا ہوں چند دن ہوئے پروفیسر غلام اعظم صاحب اور راؤ اختر صاحب سے بھی جو جماعت اسلامی کے امیر برائے جدہ ہیں۔ ملاقات ہوئی اور پروفیسر صاحب سے میں نے جمعہ کے دن اپنی جگہ پر تقریر کرنے کی درخواست کی انہوں نے قبول فرمائی اور کھانا بھی میرے غریب خانہ پر کھایا اس طرح کچھ نہ کچھ کام اللہ کے فضل سے اور آپ کی دعاؤں سے ہو رہا ہے لیکن ایک بات جس سے فکرمند ہوں وہ یہ ہے کہ میرا ذخیرۂ الفاظ ختم ہوتا جا رہا ہے کافی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں مگر وقت نہیں ملتا اور بقول شاعر۔ ”تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے“ کچھ وقت معاش کے لئے بھی نکالنا پڑتا ہے۔ آپ کی کافی ٹیپ شدہ تقاریر میرے پاس ہیں جن سے کافی سہارا ملتا ہے دوسرے آپ کی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے ڈاکٹر صاحب چند دن ہوئے میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ ایک موٹر سائیکل چلا رہے ہیں اور میں بالکل آپ کے پیچھے اس پر بیٹھا ہوں اور آپ کی کمر پر ہاتھ ڈال رکھا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اتنی دوری اور اتنی قربت کیسے ہو سکتی ہے خدا کرے اس کی تعبیر وہی ہو جو بظاہر نظر آتی ہے مگر پھر مجھے یقین نہیں آ رہا ہے میں آج تک کسی طرح بھی آپ کا ممد و معاون نہیں بنا سوائے چند نشستوں کی حاضری کے

لیکن پھر بھی یہ اعزاز! اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت معلوم ہوتا ہے۔ ویسے تو یہ جذبہ کئی سالوں سے میرے دل میں تھا مگر اس کو تقویت آپ کی صحبت میں ملی اور اب اللہ کے فضل سے میں نے رمضان المبارک سے ڈاڑھی بھی رکھ لی ہے اور اس وقت سے متواتر اچھا بھلا درس دے رہا ہوں کچھ کامیابی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ یہاں کا ماحول عجیب ہے ہر آدمی گھر سے چار پیسے کمانے آیا ہوا ہے اور صرف جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے اور اس دن بھی شاپنگ وغیرہ اور فلم بینی کی طرف اکثر لوگوں کا دھیان لگا رہتا ہے بڑی مشکل سے نماز جمعہ کے بعد ایک گھنٹہ بیٹھتے ہیں۔ لیکن میں ناامید نہیں ہوں کیونکہ تمام مساجد حکومت کے زیر انتظام ہیں اور خطبہ اور وعظ دونوں عربی زبان میں ہوتے ہیں اس لئے جمعہ کے بعد اردو میں وعظ سننے کے لئے صرف صاحب ذوق اور لگن والے لوگ بیٹھے رہتے ہیں باقی سب بھاگ جاتے ہیں تاہم چار پانچ سو حضرات اللہ کا شکر ہے کہ اب بیٹھنے لگے ہیں۔ آپ دعا کریں کہ روزی آرام سے ملتی رہے اور میں اس کام پر لگا رہوں اب تک تو اللہ کا فضل ہے تھوڑی سی محنت کرنے سے روٹی مل جاتی ہے ورنہ کسی بڑے کام میں مصروف ہو گیا تو پھر ہاتھ سے یہ دولت جاتی رہے گی کئی دفعہ متزلزل ہوا ہوں کہ ابھی فی الحال اس کام کو چھوڑ دوں اور کچھ رقم جمع کر لوں مگر اب اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم نوازی ہے۔ مَیں یہاں کے حالات دیکھ کر چاہتا ہوں کہ جلدی سے جلدی انجمن کی بنیاد رکھ دوں مگر کوئی صورت بن نہیں پڑتی جو لوگ درس سنتے ہیں وہ بھی احسان ظاہر کرتے ہیں کہ ہم آپ کا درس سنتے ہیں دوسرے قرآن کے الفاظ زبانی یاد کرنے میں بڑی دقت ہو رہی ہے ویسے تو اللہ کے فضل سے فی البدیہہ بول لیتا ہوں مگر قرآن پاک کی آیات یاد نہیں ہوتیں عمر میں پختگی کی وجہ سے شاید ایسا ہے اگر عربی زبان میں مکمل مہارت حاصل ہو جائے تو ان شاء اللہ یہاں کے عرب جو کہ کروڑپتی ہیں ان کو اس کام کی طرف دعوت دینے کا بے حد جذبہ اور ارادہ ہے اللہ تعالیٰ اس میں استقامت اور لگن عطا فرمائیں (آمین) آپ کی کوئی نئی کتاب یا پمفلٹ وغیرہ چھپا ہو تو میں عبدالصمد کو لکھتا ہوں کہ مجھے روانہ کرے اور سب سے ضروری تو آپ کی دعائیں درکار ہیں اتنا اچھا میدان ملا ہوا ہے کہ جیسے میرے ہی لئے یہ خالی پڑا اتفاقی الحال کسی قسم کی مخالفت وغیرہ بھی نہیں ہے چاہتا ہوں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤں مگر اپنے علم اور مطالعہ کی کمی کو محسوس کرتا ہوں میری خصوصی دعا یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ آپکے

زمرہ میں شامل کرے جو مشن آپ دنیا میں پورا کر رہے ہیں کچھ نہ کچھ میرا بھی اس میں حصہ ہو جائے۔
(آمین) حاجی، محمد افضل ۔ دوبئی

مکتوب از لاہور مخدومی و مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب - السلام علیکم

ہماری پس ماندگی ظاہر ہے۔ اقوام عالم میں اپنا صحیح مقام پانے کے لئے ابھی کتنی محنت اور وقت درکار ہے۔ اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ لیکن ان اندھیروں میں آپکا درس قرآن روشنی کی ایک کرن ہے۔ مجھے گاہے گاہے آپ کے درس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ ہر درس سے اُٹھنے کے بعد مجھے عقیدہ اور کردار میں زیادہ پختگی محسوس ہوئی ـــــــ لیکن سب سے اہم بات جو مجھے دوسرے اکثر واعظین و مدرسین سے مختلف اور بے حد مفید محسوس ہوئی ۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ نہ قرآن وسنت کی تعبیرات اور عقائد کی جزئیات کے اختلافات میں الجھتے ہیں۔ اور نہ دوسرے جزوی اور فروعی اختلافات کو مس کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن کے محکمات اور عقائد اور اقدار کی بنیادوں کی تبلیغ پر اپنا سارا وقت اور توجہ مختص رکھتے ہیں۔ اسی کی ہمیں ضرورت ہے۔ کیونکہ گھر۔ مسجد۔ مدرسہ اسکول ـــــــ کسی جگہ ان کی تعلیمات کا انتظام نہیں ہے۔ اور نتیجۃً ہم اسلام کے بنیادی عقائد سے محض ناواقف اور جزوی اختلافات کے منادی اور منافرت اور باہمی دشمنی کے نقیب بن کر رہ گئے ہیں ـــ آپ کے درس کی اس خصوصیت نے اس عاجز۔ اور سُنی سنٹر کے دوسرے رفقاء کو بے حد متاثر کیا ہے۔ اسی چیز نے آپ کے درس کی روشنی کی کرن کو فلڈ لائیٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہم سب آپ کی صحت اور اس درس کی زیادہ سے زیادہ کامیابی کے لئے دست بدعا ہیں۔ شیخین صابر علیگ ناظم اعلیٰ اسلامی سُنی سنٹر

مکتوب از راولپنڈی جناب ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم

ستمبر و اکتوبر کا میثاق میرے سامنے ہے۔ "اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" والے مضمون کو میں نے لفظاً بلکہ حرفاً پڑھا۔ مضمون کو پڑھ کر انتہائی رنج ہُوا کہ منافقین نے اور اُن سے متاثر یا گمراہ ہو کر اپنوں نے اسلام کے ساتھ قرآن کے ساتھ اور شارع علیہ السلام کے ساتھ کتنا ظلم کیا ہے۔ مَیں نے اس سلسلہ میں کئی جگہ مختلف اوقات میں پہلے بھی کچھ پڑھا تھا مگر یہ سارا مواد یکجا پہلی مرتبہ ہی دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب اور آپ کو اس جہاد کے لئے اجر عظیم عطا فرماویں۔ اور مسلمانانِ پاکستان کو خصوصاً اور اسلامیانِ عالم کو

عموماً اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرماویں اب سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مضمون مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچے کس طرح ؟ ۔ اور اگر پہنچے تو کیا مسلمان اسے دلچسپی سے پڑھیں گے ؟ روافض تو ہے ایک طرف ، کیا اپنے نام نہاد سُنّی حلقے جو غیر شعوری طور پر روایت پرستی میں مبتلا ہیں اس کے خلاف طوفانِ بے تمیزی نہ برپا کریں گے ۔ خیر اس سے غرض نہیں ۔ ان ایمان پرور خیالات کی تبلیغ و اشاعت بڑی مفید اور ضروری ہے ۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ان حقائق کو دیکھنے کے بعد کیا «تصوّف» کو اسلامی بھی کہا جا سکتا ہے اور سرے سے تصوف اسلام میں کوئی مقام رکھتا بھی ہے ۔ کیا یہ سب سناتن دھرم سے کچھ مختلف ہے ؟ آریہ سماجی مذہب تو اس اسلامی تصوف سے بدرجہا بہتر ہے ——— معاملہ ملّت کے سمجھنے سوچنے اور عمل کرنے کا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل جسمانی اور روحانی صحت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرماویں ۔ تاکہ اللہ کی کلام کی تبلیغ و اشاعت ہو ۔ شرک صرف قرآن کو سمجھنے سمجھانے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے ۔

(میاں) حیات بخش ریٹائرڈ انجنیئر صدر انجمن فیض الاسلام راولپنڈی

مکتوب از کراچی

قارئین سے ایک درخواست ہے کہ «تعاونوا علی البر» کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک علمی اور دینی سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔ میرے پاس ایک مترجم قرآن کا نسخہ ہے جو اب سے ۷۵ برس پہلے ۱۳۲۱ھ میں مطبع ہاشمی (دہلی) میں بڑے جہازی سائز پر چھپا تھا ۔ اس میں ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حاشیہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ہے ۔ اُس کے (سرورق سمیت) ابتدائی چار اوراق (۸ صفحات) ناکارہ ہیں ۔ میں بالکل ویسے ہی کسی دوسرے نسخہ کی تلاش میں ہوں تاکہ اُس کے ان آٹھ اوراق کی عکسی نقل حاصل کر کے اپنا نسخہ مکمل کر سکوں ۔ «بیت القرآن» سمیت چودہ پندرہ اداروں ، اشخاص اور جرائد کو لکھا ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی ۔ میثاق کے قارئین بھی توجّہ فرمائیں ۔ اللہ اجر دے گا ۔

کنور محمد اعظم علی خان «خسروی» «نزہت» ناظم آباد ۔ ۴ ڈی ۔ ۳/۶ ، کراچی ۱۸

ماہنامہ فاران کراچی کا تبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب «مرکزی انجمن خدام القرآن» کے بانی اور سرپرست ہیں ،

ان کا کام بڑھ رہا ہے اور ڈاکٹر صاحب کو چند مخلص اور محنتی رفقا مل گئے ہیں، بعض خیر پسند اہل سرمایہ بھی اس انجمن کے معاون ہیں! ۱۴ نومبر ۱۹۷۲ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۵ء تک مرکزی انجمن خدام القرآن کو پانچ لاکھ دس ہزار کی آمدنی ہوئی ہے! لاہور میں ڈاکٹر صاحب کا جو درس قرآن ہوتا ہے اس میں سامعین کی کافی تعداد ہوتی ہے۔

۲۱، مارچ سے ۲۳، مارچ ۱۹۷۶ء تک ٹاؤن ہال لاہور میں اس انجمن کی تیسری سالانہ ”قرآن کانفرنس“ منعقد ہوئی تھی جس کی مفصل روداد قاضی عبدالقادر صاحب نے دلکش پیرایہ میں مرتب کی ہے۔ اس کانفرنس میں جو مقالے پڑھے گئے وہ ”میثاق“ کے اس خاص شمارے کی زینت ہیں، یہ تمام مقالے خاصے جاندار ہیں خاص طور سے مولانا محمد طاسین کا مقالہ (قرآن اور تصور ملکیت) اپنے موضوع پر کامیاب مقالہ ہے ......“ (شمارہ نومبر ۷۶ء)

ماہنامہ طلوع اسلام لاہور کا تبصرہ

”ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے، اپنے آپ کو، اپنے تصور کے مطابق، قرآن کریم کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک انجمن کی بھی تشکیل کی ہے جس کا نام ”انجمن خدام القرآن“ ہے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام ہر سال ایک کانفرنس کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔ اس کی تیسری سالانہ کانفرنس گذشتہ مارچ میں، لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ ماہنامہ میثاق کا یہ خصوصی نمبر، اس کانفرنس کی روئیداد، اور اس میں پیش کردہ خطابات اور مقالات پر مشتمل ہے۔ اس کی ”رپورتاژ“ بڑے شگفتہ اور دلکش انداز سے مرتب کی گئی ہے۔

(شمارہ ستمبر ۷۶ء)

(بقیہ تقریظ و تنقید)

حسن ظاہری و صوری سے بھی مزین ہے اور حسن باطنی سے بھی یہ شمارہ تبلیغ دین سے متعلق معیاری اور مفید مضامین کا ایک حسین گلدستہ اور مرقع ہے۔ ہم تمام اسلام دوست اور اصلاح پسند حلقہ تعارف سے اس ڈائجسٹ کی سرپرستی کی اپیل کرتے ہیں۔ ایسے پرچوں کا خود بھی مطالعہ کرنا اور اس کے مطالعہ کی اپنے گھر والوں نیز اپنے حلقہ تعارف و اثر کو ترغیب دینا ان شاء اللہ تعاون علی البر شمار ہوگا۔ (ج۔ل)

حقوقِ نسواں کمیٹی کی چند سفارشات پر تبصرہ

میاں محی الدین احمد ایم اے (انگلش) ایم اے (اردو)
ایل ۔ ایل ۔ بی ، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ

اسلام کے عادلانہ عائلی نظام کو نظر انداز کرکے جو نظام بھی انسان اپنی عقل سے بنائے گا۔ اس میں افراط و تفریط بھی ہوگی اور وہ عدل و انصاف سے بھی عاری ہوگا۔ نیز اس سے خیر کی امید بھی عبث ہوگی ۔ ہدایت الٰہی سے بے نیاز ہوکر امریکہ اور یورپ نے جو عائلی نظام اپنے ہاں رائج کیا ہے ۔ اس کا خمیازہ وہ بھگت رہے ہیں ۔ اگر ہم نے بھی قرآن و سنت سے صرف نظر کرکے حقوق نسواں متعین کرنے کی کوشش کی تو اصلاح و فلاح تو درکنار خسران و زیاں ہی حصے میں آئیگا۔ میاں محی الدین احمد صاحب نے حقوق نسواں کمیٹی کی چند سفارشات پر جو تبصرہ کیا ہے ۔ وہ اس قابل ہے کہ ہمارے ارباب حل وعقد سنجیدگی سے غور کریں (ج۔ر)

تجربہ سے یہ بات ناقابلِ تردید حد تک ثابت ہوچکی ہے کہ مسلم خاندانی قوانین کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے نفاذ کے بعد ہمارے معاشرہ کا ایک وافر حصہ ازدواجی سکون سے محروم ہوگیا ہے اور عقل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ یہ قانون بہت عرصہ پیشتر ہی منسوخ کر دیا جاتا یا اس میں مناسب ترامیم کی جاتیں ۔ مگر افسوس ہے کہ سال رواں کے آغاز میں حکومت نے خاندانی مسائل کا جائزہ لینے کے لئے جو حقوق نسواں کمیٹی تشکیل دی اس نے بعض اہم ترین معاملات میں جلتی آگ پر تیل کا سا کام کیا ۔ اس کمیٹی کی رپورٹ اور سفارشات کے پہلے حصہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ ممبران کمیٹی نے مردوں کی فلاح و بہبود کے عنصر کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر دماغی کاوشیں صرف عورتوں ہی پر مرکوز کر دی ہیں ۔ اور مردوں کو عورتوں کے ہاتھوں میں ایک استحصالی آلہ کار سے زیادہ حیثیت نہیں دی ہے ۔ ممبران کے خیال میں لفظ فیملی یعنی خاندان کی تعریف میں شاید بیوی بچوں کا وجود ہی آتا ہے ۔ خاوند کا نہیں۔ مذکورہ کمیٹی کا جو انتخاب ہوا ہے ۔ اس کے تحت ہم اس سے غیر جانبدارانہ اور منصفانہ

تجاویز کی توقع رکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے چودہ ممبران میں سے نو ممبران مستورات ہیں اور کمیٹی کی مشیر بھی ایک عورت ہی ہے جبکہ بقایا پانچ مرد ممبران میں سے صدر اور تین ممبر حکومت کے ہمہ وقتی تنخواہ دار ملازم ہیں اور صرف ایک ممبر طبقۂ عوام میں سے ہیں جو کراچی کے ایک وکیل ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ اس کمیٹی میں زندگی کے ہر شعبہ کے نمائندوں کو شامل کیا جاتا اور مسائل زیرِ غور کی نوعیت کے مدِ نظر علمائے دین میں سے بھی لازمی کچھ حضرات کو شمولیت کی دعوت دی جاتی۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ رپورٹ سے یہ بھی ظاہر نہیں ہے کہ کتنے ممبران نے اس سے اتفاق کیا اور کتنے ممبر اس سے متفق نہیں تھے۔

میری ناچیز رائے میں ممبران کمیٹی نے اس اعتماد کا غلط اور ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے جو ان کی تقرری کے وقت حکومت نے ان پر کیا کیونکہ رپورٹ پیش کرتے وقت اکثر و بیشتر مقامات پر انہوں نے سراسر جذباتیت اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور مردوں کے خلاف متعصبانہ خیالات ان کی سفارشات سے جابجا مترشح ہیں۔ یہ چیز صریحاً اعتماد کے غلط استعمال کے مترادف ہے۔ مانا کہ یہ رپورٹ عوام کی تنقید اور تبصرہ کے لئے شائع کر دی گئی ہے لیکن بنیادی طور پر ممبران کا یہ فرض تھا کہ وہ خود بھی دُوراندیشی اور سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے عوام کے سامنے ایک دِلآزار رپورٹ پیش نہ کرتے اور اسلامی معاشرہ کے مسلمہ اصولوں اور خدا اور اس کے رسُولؐ کے بنائے ہوئے قوانین کو اپنی ذاتی من گھڑت کسوٹی پر پرکھ کر توڑنے موڑنے سے اجتناب کرتے۔

اُمید ہے ہمارے قانون سازادارے اس رپورٹ کی بنیاد پر کوئی مزید اقدام اُٹھانے سے پیشتر انتہائی سنجیدگی اور غور و خوض سے کام لیتے ہوئے سماج کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں نہیں دھکیلیں گے۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ بیوی کو شادی کے پانچ سال کے بعد طلاق کی صورت میں خاوند کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائدادمیں سے آٹھویں حصّہ کا مالک قرار دیا جائے۔ فاضل ممبران نے یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ اگر بیوی کو اس کی نافرمانی۔ بدچلنی اور ناقابلِ برداشت معیوب حرکات کی وجہ سے طلاق دیئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے تو کیا ایسی طلاق کی صورت میں بھی وہ خاوند کی جائیداد میں کسی حصّہ کی حقدار رہ سکتی ہے۔ نیز یہ کہ اس سفارش سے اسلام نے مہر کی جو شرط لگائی ہے اس کا مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے۔

اسلامی قانون کی رُو سے بیوی اپنے خاوند سے صرف مہر کی رقم کی لین دار ہے۔ خاوند کی فوتیدگی کی صورت میں البتہ اس کا ورثہ میں جو حصّہ ہے وہ پہلے ہی مقرر ہے۔ جو آٹھواں ہے۔ کمیٹی کے ممبران چاہتے ہیں کہ بیوی اپنے سابقہ خاوند کی زندگی ہی میں اس کی ساری جائیداد کا آٹھواں حصّہ اینٹھ لے علاوہ اس رقم کے جس کی مہر کی صورت میں وہ حقدار ہے۔ قرآن پاک یا کسی حدیث معتبر کے مطابق عورت کا طلاق کے بعد مرد کے ساتھ کسی قسم کے رابطے یا تعلق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور نہ ہی اس پر کوئی حق باقی رہتا ہے۔ ممبران کمیٹی نے عورت کی بہتری کا بہانہ تراش کر نعوذ باللہ اسلامی قانون کا مذاق اُڑایا ہے اور کُھلّم کُھلّا اسے اپنی تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ کاش کہ فاضل ممبران اپنی وسیع النظری کا ثبوت اس بات سے دیتے کہ اگر بیوی خود خاوند سے طلاق یعنی خُلع حاصل کرلے تو خاوند بھی بیوی کی تمام منقولہ جائیداد کے چوتھے یا پانچویں حصّہ کا مالک قرار دیا جائے۔ ممبران نے ایسا کرنے سے دیدہ و دانستہ گریز کیا ہے کیونکہ ان میں اکثریت خود عورتوں کی ہے یہاں پر خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِلِ کوزہ کی مثال صادق آتی ہے۔ اسلامی قوانین کے بنیادی ڈھانچہ کے دائرہ میں رہ کر قواعد تو مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن قوانین کو بذاتِ خود سرے سے ہی بدل دینا اور انہیں بدلتے ہوئے حالات کے جواز کی آڑ لے کر مسخ کردینا سخت غیر اسلامی۔ غیر شرعی۔ مذموم اور قبیح اقدام ہے۔

کمیٹی نے ایک سفارش یہ بھی کی ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ۔ بھائیوں۔ بہنوں اور بچّوں سے ملنے سے روکے تو اسے تین ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزاؤں سے نوازا جائے۔ سُبحان اللہ کیا سفارش ہے! کیوں جی اگر صورت اس کے برعکس ہو یعنی اگر بیوی اپنے خاوند کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے سے روکے تو پھر بیوی کو کیا سزا دی جائے؟ اس بارے میں کمیٹی نے خاموشی کا لبادہ کیوں اوڑھ لیا۔ حالانکہ معاملہ اُلٹ ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہمارے گھرانوں میں عام طور سے بیویاں ہی اپنے خاوندوں کو ان کے رشتہ داروں سے منقطع کرنے کی تگ ودو اور ریشہ دوانیوں میں لگی رہتی ہیں۔ اور ان کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی ہے کہ خاوند اپنے والدین تک کو خیرباد کہہ کر اپنی تمام زندگی صرف بیوی کی آؤ بھگت۔ حاشیہ برداری۔ پرورش۔ دیکھ بھال اور چونچلوں کی بھینٹ چڑھا دے۔

کمیٹی کی یہ تجویز کہ طلاق کے بعد بھی خاوند اپنی مطلقہ بیوی کو ایک معینہ مدت تک نان ونفقہ فراہم کرنے کا پابند رہے سراسر خلاف شرع ۔ خلاف تہذیب اور خلاف قاعدہ ہے ۔

اِن تمام باتوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ بیوی نہ ہوئی اچھی خاصی راہزن اور ڈاکو ہوگئی ۔ اور اگر کوئی شخص شادی کرنا چاہے تو شادی سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لے کہ جو عورت اس کے گھر میں بیوی بن کر آنے والی ہے وہ اس کی یعنی ہونے والی بیوی کی تمام بدعنوانیوں کے باوجود بھی اس کے ہاتھوں اپنی جائداد کے ایک معتدبہ حصہ پر ڈاکہ ڈلوانے اور جیل کی ہوا کھانے کے لئے تیار رہے ۔ نتائج ظاہر ہیں ۔ ایسی صورت میں لوگ شادی سے پرہیز کریں گے اور جنسی آسودگی کی خاطر مختلف ٹھکانے تلاش کریں گے ۔ عیاشی زور پکڑ جائیگی ۔ سماج میں جنسی اور دیگر جرائم کی تعداد بڑھ جائے گی ۔ اور تمام معاشرہ غارت ہو کر رہ جائے گا ۔

ممبران کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں عورت کے لئے بے چاری اور غریب کے الفاظ بڑے واشگاف اور ہمدردانہ لہجہ میں استعمال کئے ہیں مگر مرد کی بے چارگی اور غربت کا کسی کو خیال تک نہ آیا ۔ چند شاذ و نادر مثالوں کو چھوڑ کر یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کوئی خاوند بغیر کسی وجہ کے اپنی بیوی کو یونہی طلاق دے کر اپنا گھر اجاڑ کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مارتا ۔ بلکہ بیوی کی بے راہ روی ۔ باغیانہ حرکات اور بداطواری کے سبب وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے فاضل ممبران نے عورتوں کو کوئی ایسی مستحسن نصیحت فرمانے کی تکلیف نہیں کی کہ قانونِ فطرت اور خاص طور پر اسلام نے عورتوں کے لئے جو مقام متعین کیا ہے وہ اس سے تجاوز نہ کریں اور افراط و تفریط سے کام نہ لیں ۔ اپنے شوہروں کی تابعدار اور فرماں بردار رہیں ۔ انہیں مجازی خدا سمجھیں ۔ صحیح معنوں میں انہیں اپنا سرپرست ۔ نگہبان ۔ کفیل اور عملی طور پر جیون ساتھی تصوّر کریں ۔ زبان درازی گستاخی بے جا ہٹ دھرمی اور عدم تعاون نہ کریں ۔ صرف خالی خولی آزادی اور مساوات کا ڈھونگ رچانے سے کچھ نہیں ہوتا ۔

خاندانی اور گھریلو زندگی کا نظم و ضبط ۔ رکھ رکھاؤ ۔ حُسن و نکھار اور خاوند بیوی کے باہمی ازدواجی اور ذاتی تعلقات کی خوشگواری یا ناخوشگواری کا تمام تر انحصار ان

کے اپنے حسنِ سلوک یا بدسلوکی پر ہے۔ ان تعلقات کو کسی قانون کے ذریعہ ہرگز ہرگز استوار نہیں کیا جا سکتا۔ ضابطۂ اخلاق کسی قانون کا محتاج نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی قانون اسے مؤثر طریقہ پر نافذ کر سکتا ہے۔ اگر کوئی حکومت یا طاقت ان تعلقات کے محرکات کو بزورِ قانون عملی شکل دینے کی کوشش کرتی ہے تو یہ ایک بے سود اور لایعنی عمل ہوگا۔ گستاخی معاف۔ آج اگر عورت یہ قانون نافذ کرا لے کہ اس کے خاوند کو اسے یعنی بیوی کو رشتہ داروں سے ملنے سے باز رکھنے کی وجہ سے قید کر دیا جائے تو کل وہ ایسا قانون بنوانے کی کوشش بھی کر سکتی ہے کہ یا تو اس کا خاوند ایک مقررہ عرصے کے بعد لازماً اس کے ساتھ اختلاط جنسی سے پیش آئے ورنہ بصورتِ دیگر اسے جیل خانے کا راستہ دکھایا جائے۔ یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ اس کے علاوہ عورت کی جا و بے جا خواہشات کی دیگر متعدد اشکال بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کا خاوند اسے ہر ہفتہ سینما دکھائے۔ سیر کرائے۔ ہوٹلوں اور کلبوں میں لے جائے۔ پردہ نہ کرائے۔ ملازمت سے نہ روکے۔ بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کے لئے نوکر کا انتظام کرے۔ ہانڈی روٹی کی تیاری کے لئے خانساماں مقرر کرے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ بقول اس کے ہماری اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور اسے آزادی اور مساوات عطا کرتا ہے۔

مندرجہ بالا سفارشات پر عمل درآمد کی کوشش بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوگی۔ اور معاشرہ میں بے چینی۔ افراتفری۔ فضول مقدمہ بازیاں اور نت نئے جرائم رونما ہوں گے جنھیں قابو میں لانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ ہمیں حکومت یا مقننہ سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ افراد کے ذاتی یا اندرونی خاندانی معاملات میں دخل اندازی کرے۔ اور اس مقصد کے لئے کوئی قانون نافذ کرے۔ ہمارے گھروں کی عورتوں کو خدانخواستہ کوئی ایسا تکلیف دہ مسئلہ درپیش نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ پریشان اور سراسیمہ ہوں۔ اور آزادیٔ نسواں کے پردہ میں خاوندوں کے لئے دردِ سر بنیں۔ ہمارے معاشرہ کا ہر خاوند (جیسا کہ ہماری مشرقی تہذیب کا تقاضا ہے) اپنی بیوی کو حتی المقدور آرام و آسائش مہیا کرتا ہے۔ بشرطیکہ بیوی ہی خود کالی بھیڑ نہ ثابت ہو اور اپنی فطرتِ بد سے مجبور ہو کر تمام سہولیات

باقی صفحہ پر

رفتارِ کار

جمیل الرحمٰن

دعوتِ رجوع اِلی القرآن

لاہور ذوالحجہ کے مبارک ماہ کی آمد تھی پاکستان کے ہر بڑے چھوٹے شہر اور قصبے میں عید الاضحیٰ کے استقبال کی تیاریاں تھیں۔ شمعِ توحید کے پروانے حجِ بیت اللہ کے لیے یوں تو شوال کے وسط سے بحری راستے سے رواں دواں تھے ہی، لیکن ماہِ نومبر کے آغاز سے ہوائی جہازوں کے ذریعے ہر روز قافلے در قافلے حجازِ مقدس روانہ ہونے شروع ہو گئے تھے اور کراچی ائیرپورٹ کی فضائیں توحید کے نعرۂ مستانہ اور حمد کے ترانہ و تلبیہ سے مسلسل گونج رہی تھیں لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ اور زائرینِ بیت اللہ شریف عمرہ و حج کی سعادت کے حصول کے لیے احرام کے فقیرانہ لباس میں یکے بعد دیگرے روانہ ہو رہے تھے۔ اس مبارک سفر کے عازمین کو وداع کرنے والوں کے ہجوم سے ائیرپورٹ وجد آفریں نظارے پیش کر رہا تھا۔ اس مبارک ماہ کی عظمت کے پیشِ نظر انجمن کی سرگرمیاں بھی زیادہ اسی محور کے گرد گھومتی رہیں۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر صاحب نے ۱۷ر نومبر ۷۶ء کو بعد نمازِ عشا جامع مسجد مسلم کالونی سمن آباد میں "حج اور عید الاضحیٰ، اور ان کی اصل روح ــ قرآنِ حکیم کے آئینے میں" کے موضوع پر پہلا خطاب فرمایا جس میں اس ابتلا و آزمائش کا تفصیل سے ذکر کیا جس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام گزارے گئے تھے اور جن میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کو امام الناس کے منصبِ جلیلہ پر قائم کیا تھا۔ جمعہ کے روز مسجدِ خضری میں اور ۲ر دسمبر ۷۶ء (۱۰ر ذوالحجہ) کو مسجد دارالسّلام جناح باغ میں دوگانہ عید سے ایک گھنٹہ قبل خطاب فرمایا ــ جو لاہور کے سب سے زیادہ مؤقر اور کثیرالاشاعت اخبار روزنامہ "نوائے وقت" کی رپورٹ کے مطابق لاہور کے تین عظیم ترین اجتماعاتِ عید میں سے ایک اجتماع تھا۔ نمازِ عید کی امامت بھی ڈاکٹر صاحب نے فرمائی تھی۔ یہ خطاب (مقالہ) مطبوعہ پمفلٹ کی صورت میں تقریباً دو ہزار کی تعداد میں نمازِ عید کے شرکاء میں تقسیم کیا گیا ــ مزید براں اس مضمون کی اشاعت کا ملک کے دو مشہور و معروف اور کثیرالاشاعت و مؤقر روزناموں ــ "جنگ" کراچی اور ــ "نوائے وقت" لاہور میں انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ دونوں اخبارات میں یہ مضمون نہایت نمایاں طریق

پر شائع بھی ہوا ـــــ ۲۸ر نومبر اتوار کے دن مسجد شہداء کے ہفتہ واری مستقل درسِ قرآن کے بعد اسی مضمون کا اجتماعی مطالعہ بھی ہوا۔

۲ر دسمبر کو جمعۃ المبارک اور ذوالحجہ کی گیارھویں تاریخ تھی لہٰذا مسجدِ خضریٰ میں جمعہ کے خطاب میں ڈاکٹر صاحب نے اسی مناسبت سے رُوئے زمین کے مسلمانوں کے لیے قربانی کے وُجوب پر قرآن و حدیث سے استدلال و استشہاد پیش کیا اور اس سُنّتِ متواترہ کے سلسلہ میں منکرینِ حدیث جو گمراہ کُن غلط فہمیاں پھیلانے کی مذموم جسارت کرتے رہتے ہیں، اُس کی نہایت مؤثر طریق پہ تردید کی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "اِن حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قربانی صرف منیٰ میں صاحبِ استطاعت حُجّاج پہ فرض ہے۔ اس مقام کے علاوہ دوسرے مقامات پر قربانی سے قومی معیشت کو سخت ترین نقصان پہنچتا ہے اور ہر سال بے شمار قومی دولت کا زیاں ہوتا ہے" ڈاکٹر صاحب نے بڑے وثوق سے فرمایا کہ "حالانکہ امرِ واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے" ـــــ پاکستان کی مثال پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "اگر آپ حقیقت پسندانہ اور منصفانہ، بلکہ خالص اقتصادی نقطہ نظر سے جائزہ لیں گے تو آپ کو قربانی کی سُنّت پر عمل پیرا ہونے کی بے شمار برکتیں اور فائدے نظر آئیں گے اور کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ اقتصادیات بھی ایک دھیلے برابر قومی دولت کا زیاں ثابت نہیں کر سکے گا ہمارے اس ملک میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ اسی عید الاضحیٰ کے لیے بے شمار جانور پالتے ہیں جن کی فروخت سے وہ اپنی معاش کا انتظام کرتے ہیں۔ لاکھوں قصابوں کو روزگار مہیا ہوتا ہے۔ کروڑوں روپے گردش میں آتے ہیں اس کا ایک حبّہ بھی ملک سے باہر نہیں جاتا۔ قربانی کے گوشت کی ایک ایک بوٹی کام میں آتی ہے اور لاکھوں ایسے افراد کو بھی گوشت کھانے کو نصیب ہو جاتا ہے جو سال بھر میں مشکل ہی سے گوشت کی خرید کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جانوروں کے روجھے، آنتیں اور اوجھڑیاں تک ضائع نہیں ہوتیں بلکہ کام میں آتی ہیں۔ پھر قربانی کی کھالوں کے فوائد بے شمار ہیں۔ کتنے ناداروں کو اس کھال سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ملک میں سینکڑوں دینی اور رفاہی ادارے اجتماعی طور پہ کھالیں جمع کر کے اُن کی فروخت کی رقوم سے اپنے کاموں کو جاری رکھنے کے قابل ہوتے ہیں پھر ان کھالوں سے ملک کی کتنی صنعتوں کو چمڑا حاصل ہوتا ہے، مزید براں اسی چمڑے کی برآمد سے کروڑوں روپے زرِ مبادلہ کی ہر سال تحصیل ہوتی ہے ـــــ اس کے برعکس منیٰ میں جو قربانی ہوتی ہے اس کا بیشتر حصّہ واقعی ضائع ہوتا ہے۔ چونکہ ایک تو وہاں اب خوش حالی آگئی ہے، فقراء کی کمی ہے جس کی وجہ سے گوشت کا بیشتر حصّہ استعمال میں نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ قربانی کی اتنی افراط ہوتی ہے کہ اس کے گوشت

اور چمڑے کو محفوظ رکھنے کے لیے اگر پلانٹ لگایا جائے تو وہ پلانٹ سال میں صرف تین چار دن ہی کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے۔ باقی پورے سال وہ بیکار کھڑا رہے گا لہٰذا منیٰ میں ہر شام کو حکومت کے بلڈوزر آتے ہیں اور سب ذبح شدہ جانوروں کو سمیٹ کر کسی کھائی یا کنوئیں میں دبا دیتے ہیں۔ ان منکرین حدیث کی بوالعجبی دیکھئے کہ منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ قربانی کی مخالفت میں یہ لوگ جو دلائل قائم کرتے ہیں وہ کچھ چسپاں ہوتے بھی ہیں تو اس مقام کی قربانی پر جس کے وُجوب کے یہ خود قائل ہیں" —— ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "قربانی کی سنّت اور وجوب کو اقتصادی پیمانوں سے ماپنا ہی گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح فرمایا کہ: لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ" میں نے قربانی کے جو فوائد بیان کئے ہیں، وہ دراصل ان منکرین کے استدلال کے جواب میں بیان کئے ہیں ورنہ ہمارے لیے تو حجّت کے لیے اصل دلیل یہ ہے کہ احادیثِ صحیحہ سے جن میں عملی اور قولی احادیث دونوں شامل ہیں، یہ ثابت ہے کہ عید الاضحیٰ پر ہر ذی استطاعت پر قربانی واجب ہے، چاہے وہ دنیا کے کسی حصّے میں رہتا ہو۔ ہجرت کے بعد نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم دس سال مدینہ منوّرہ میں عید الاضحیٰ پر خود قربانی کرتے رہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اس سُنّت پر عامل رہے۔ ان منکرینِ سنّت کو چھوڑ کر پوری امّت کا چودہ سو سال سے لگ بھگ اس سنّتِ متواترہ پر اجماع رہا ہے" ڈاکٹر صاحب نے نبی اکرمؐ کی دو قولی اور دو عملی احادیث بھی پیش کیں۔ موصوف نے مزید فرمایا کہ "اگر ایک مرتبہ مادّی نفع نقصان نیز اقتصادیات کے پیمانوں سے فرائض و واجباتِ دین کو ماپنے کی گمراہی قبول کر لی گئی تو پھر اس ضلالت کی کوئی حد نہیں رہے گی۔ پھر تو نماز کے بارے میں یہ ضالّ و مُضلّ یہ دلیل قائم کر سکیں گے کہ اس طرح قومی وقت کا اتنا نقصان (LOSS) ہوتا ہے۔ روزے کے لیے کہیں گے کہ اس طرح معاشرے میں کام کرنے والے طبقے کی قوّتِ کارکردگی متاثر اور مضمحل ہوتی ہے علیٰ ہٰذا القیاس۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ثُمَّ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

۲۷ نومبر کو ایچی سن کالج میں، کالج کی طرف سے حُسنِ قرأت کا مقابلہ تھا، اس مقابلے کی صدارت کے لیے ڈاکٹر صاحب کو دعوت دی گئی تھی، جو قبول کر لی گئی، اس مقابلے میں پنجاب کے مختلف کالجوں کے تقریباً ۲۶ طلباء نے حصّہ لیا اور حسنِ قرأت کا بہت اعلیٰ اور رُوح پرور اور وجد آفریں مظاہرہ کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مقابلے کے اختتام پر اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ "قیامِ پاکستان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں ایک ایسی تجربہ گاہ قائم ہو جہاں پر قرآن مجید، فرقانِ حمید کا نظام عملاً قائم و نافذ کیا جائے مصورِ پاکستان

علامہ اقبال مرحوم نے پاکستان کا تخیل اسی بنا پر پیش کیا اور مؤسس پاکستان قائداعظم مرحوم نے اسی مقصد کے حصول کے لیے مطالبۂ پاکستان کی تحریک بپا کی، جس کے نتیجہ میں پاکستان قائم ہوا ـــــ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "برّصغیر کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی اسی لیے حمایت کی تھی کہ یہاں پر اسلام کا بول بالا ہو۔ یہاں قرآن و سُنّت کا وہ عادلانہ نظام قائم و نافذ ہو جو خدا فراموش اور آخرت ناآشنا اور مادّہ پرست دُنیا کی رہنمائی کر سکے اور اس کو اسلام کی حقانیت کی دعوت دے سکے۔ شاید آپ حضرات کے مطالعہ سے یہ بات گزری ہو کہ جب بانی پاکستان مرحوم سے قیام پاکستان سے قبل لوگ یہ پوچھتے تھے کہ پاکستان کا دستور کیا ہوگا؟ تو قائداعظم جواب دیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں چودہ سو سال پہلے سے دستور موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ" ہم پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کی ذمہ داری سے ہرگز پہلو تہی اور گریز نہیں کر سکتے۔ اگر ہم نے خدانخواستہ یہ روش جاری رکھی تو ہم ایسی مجرمانہ غلطی کا ارتکاب کریں گے کہ جس کی پاداش میں نہ معلوم ہم کو کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا پاکستان کے قیام کا یہ حقیقی مقصد نئی نسل کے نوجوانوں کے سامنے ہمیشہ رہنا چاہیے" ـــــ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے آج کی اس مبارک مجلس میں شریک ہو کر دلی مسرّت ہوئی ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ ہمارے کالجوں کے طلباء میں قرأت کا ذوق موجود ہے حالانکہ قرأت اور تجوید ان کے نصابِ تعلیم کا حصّہ نہیں۔ اس مقابلے میں حصّہ لینے والے اکثر قاری طلباء نے قرأت کے بڑے اچھے نمونے پیش کئے ہیں۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے ایچی سن کالج کے اس ہال میں حُسنِ قرأت کے اس مقابلے کے انعقاد کا کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پاکستان کے قیام کی بدولت ہی درحقیقت آج یہاں یہ پاکیزہ محفل سجی ہے" ـــــ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ " ہماری ملّت کی دو نامور شخصیتوں کا یہ فیصلہ ہے کہ اسلام کا احیاء اسی وقت ممکن ہے کہ جب مسلمان قرآن مجید کو محض عقیدۃً نہیں بلکہ عملی طور پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ہادی و رہنما بنالیں۔ ایک نامور ہستی سے تو آپ خوب واقف ہیں، جو علومِ جدید بالخصوص مغربی فلسفے کے عالم ہی نہیں محقّق بھی تھے۔ اور جن کو ہم حکیم الامت کے لقب سے جانتے ہیں اور جن کا نام علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم ہے۔ جن کی فارسی اور اردو کی بیشتر شاعری میں ملّتِ بیضا کو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی گئی ہے" ڈاکٹر صاحب نے مثال کے طور پر علامہ مرحوم کے حسبِ ذیل چند اشعار پیش کئے : ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی — شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ — در بغل داری کتابِ زندۂ
گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " دوسری شخصیت سے نئی نسل کے لوگ تو شاید ہی واقف ہوں، پرانی نسل کے لوگ بھی ان کو بھول چکے ہوں، میری مراد اُس مردِ حریت پسند سے ہے جن کا اسمِ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ جن کی وفات ۱۹۲۰ء میں ہوگئی تھی۔ یہ وہ عظیم شخصیت تھی جو برِّ صغیر کے تمام مکاتب و مسالک کے نزدیک مسلّمہ دینی شخصیت تھی۔ دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث سب ہی ان کو اپنا مقتدر رہنما اور پیشوا تسلیم کرتے تھے انگریزی حکومت پر اس مردِ مجاہد کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے آغاز ہی میں شیخ الہندؒ کو نظر بند کردیا گیا تھا اور ان کو ہندوستان میں رکھنے کی بجائے بحیرۂ روم کے جزیرے 'مالٹا' میں قید کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں اُن کو آزاد کیا گیا جبکہ ان کی بیماری تپ دق کے آخری درجہ میں داخل ہوگئی تھی۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق اسیری سے رہائی پانے کے بعد شیخ الہندؒ نے دیوبند میں اکابر علماء کے ایک اجتماع میں فرمایا: "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی اسی کام میں صرف کردوں کہ قرآنِ کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ مسلمانوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور ان کو قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے علومِ جدیدہ اور علومِ دینی کی دولت سے مالا مال دو مقتدر شخصیتوں کے حوالے سے یہ بات آپ کے سامنے اس لیے رکھی ہے کہ آپ اس بات کو اچھی طرح جان لیں اور پورے شعور کے ساتھ سمجھ لیں کہ ہم سب کی دنیوی و اُخروی فلاح و نجات اس بات پر منحصر ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان قرآن مجید کے پانچ حقوق کی ادائیگی کی انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے فکر کریں۔ پہلا یہ کہ ہم قرآن مجید پر ایمان لائیں جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہے۔ اس کے واقعی اللہ کے کلام ہوتے پر یقین رکھیں اور انسانوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص قرآن ہی کو رہنما اور ہادی تسلیم کریں۔ دوسرا یہ کہ اس کی تلاوت کریں جیسے کہ تلاوت کا حق ہے تیسرا

یہ کہ اس پر غور و فکر کریں جیسا کہ غور و فکر کا حق ہے تاکہ اس کی تعلیمات اور ان کی حکمتوں کو سمجھ سکیں چوتھا یہ کہ اس کی تعلیمات پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عمل کریں تاکہ اس پر ایمان رکھنے اور سمجھنے کا حق ادا ہو جائے۔ پانچواں یہ کہ اس کی تبلیغ کریں، دوسری اقوام و ملل تک اس ھدی للناس کو پہنچائیں اور اس پر ایمان لانے کی ان کو دعوت دیں" ڈاکٹر صاحب نے آخر میں کہا کہ "میں نے یہ باتیں اس لیے عرض کی ہیں کہ ہماری نئی نسل کے نوجوان کہیں قرأت و تجوید کے فن کے حصول پر ہی مطمئن نہ ہو جائیں" ——— ازاں بعد ڈاکٹر صاحب نے ایچی سن کالج کے پرنسپل صاحب کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے ان کو اس پاکیزہ مجلس کی صدارت کا اعزاز اور طلباء کے سامنے اپنے خیالات کا موقع فراہم کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۸ر دسمبر کو اسٹاف ویلفیئر ایسوسی ایشن آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس (اے جی آفس) کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے سیرت النبیؐ کے جلسہ کو (جس کے واحد مقرر ڈاکٹر صاحب ہی تھے) خطاب فرمایا (یہ تقریر ٹیپ کر لی گئی ہے، اس کو ٹیپ سے منتقل کر کے عنقریب شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی)۔

مسجد شہداء میں سورۂ نساء کا مسلسل درس جاری ہے۔ درسِ قرآن کے بعد ڈاکٹر صاحب حدیث کا بھی درس دیتے ہیں۔ جس میں حدیثِ جبریل زیرِ درس تھی۔ چنانچہ ۵ر دسمبر کو ایمان کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے "تنظیم اسلامی" کے دستور میں عقائد کے ذیل میں "ایمان" کی جو تشریح مذکور ہے اس کا اجتماعی مطالعہ کرایا۔ اسی طرح ۱۲ر دسمبر کے درسِ قرآن میں چونکہ "توبہ" کا ذکر آیا تھا، چنانچہ اس ضمن میں دستورِ تنظیمِ اسلامی میں توبہ کی جو تصریح مذکور ہے اس کا بھی اجتماعی مطالعہ کرایا گیا۔

۱۸ر ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کو امت کے تیسرے خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ عظمیٰ کا سانحہ وقوع پذیر ہوا تھا۔ حسنِ اتفاق سے ۱۰ر دسمبر کے جمعہ کو ۱۸ر ذوالحجہ کی تاریخ تھی، اسی مناسبت سے مسجدِ خضریٰ کے خطابِ جمعہ میں ڈاکٹر صاحب نے شہیدِ مظلومؓ کی شہادت پر تقریر فرمائی۔ خطاب کے بعد درسِ قرآن ہوا۔ جس میں اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ کہف اختتام پذیر ہوئی، اب ان شاء اللہ اس مسجد میں "سورہ مریم" کا آغاز ہوگا۔

۱۱ر دسمبر کی شب کو مسجد لائن والی (مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد) شیرانوالہ دروازہ

میں شہادتِ عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جناب مولانا عبیداللہ صاحب انور کی زیرِ صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر ڈیڑھ گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ یہ تقریر بھی انتہائی اثر انگیز اور از رمعلومات افزا تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی روشنی میں شہید مظلوم خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کی سیرتِ پاک بیان کی۔ (یہ تقریر بھی ٹیپ کر لی گئی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ٹیپ سے منتقل کر کے ہدیۂ ناظرین کی جائے گی)۔

اسلام آباد۔ راولپنڈی

یہاں کی شاخ نے ۱۲ر دسمبر سے ۱۴ر دسمبر تک کے لیے ڈاکٹر صاحب کے خطاب و دروسِ قرآن کا پروگرام مرتب کیا تھا۔ چنانچہ ۱۲ر دسمبر بروز اتوار مسجد شہداء کے ہفتہ واری درسِ قرآن و حدیث سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب راولپنڈی تشریف لے گئے (راقم الحروف بھی ساتھ تھا) جہاز ایک گھنٹہ لیٹ تھا ایئرپورٹ سے جناب ریٹائرڈ کرنل ڈاکٹر عبدالغفور شیخ صاحب کی معیت میں اسلام آباد کی جامع مسجد (اہلِ حدیث) پہنچے۔ مقررہ وقت سے نصف گھنٹہ تاخیر ہو گئی تھی لیکن لوگ منتظر تھے۔ اس مسجد میں، ڈاکٹر صاحب نے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی پہلی دو آیات کا درس دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان آیات کی روشنی میں بتایا کہ از روئے قرآن حکمت کا عروج یہ ہے کہ انسان اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ کی رہنمائی اور اپنے ذاتی غور و فکر سے توحید باری تعالیٰ کا ادراک و شعور اور اپنے منعمِ حقیقی کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کے قلب کی گہرائیوں سے جذبۂ شکر ابھرتا ہے۔ اسی جذبہ شکر کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس میں توحیدِ خالص کے التزام اور ہر نوع کے شرک سے اجتناب کا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس پر جازم ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آیۂ کریمہ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝ کے ذیل میں اقسامِ شرک پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ دور کا سب سے بڑا شرک مادہ پرستی ہے۔ مُسبّب الاسباب چونکہ مستور ہے اس لیے اسباب و علل کو آج کے دور کا انسان مستقل بالذات سمجھنے لگا ہے۔ اس نظریہ اور فکر کا غلبہ اتنا شدید ہے کہ مسلمان جو توحیدِ خالص کے امین اور علمبردار تھے، خواہی نخواہی اسی نوع کے شرک میں مبتلا ہیں الاماشاء اللہ! اُن کا اصل اعتماد و توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں رہا بلکہ اسباب و علل پر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحیثیت قوم ہم بھی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے تمام حوادث و واقعات کی توجیہ مادی و طبعی قوانین سے کرتے ہیں الاماشاء اللہ! اور ہم اس ذات کو فراموش کر دیتے ہیں

کہ جو فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کی شان کی حامل ہے اور جو اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہے، جس کے اِذن و مشیّت کے بغیر درخت کا ایک پتّہ بھی جنبش نہیں کر سکتا ــــــــــ ڈاکٹر صاحب کا یہ درس تقریباً پونے دو گھنٹے جاری رہا۔

۱۳ر دسمبر کو ساڑھے گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں طلبا ریونین کے ایک اجتماع کو "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس اجتماع میں کالج کے پرنسپل جناب کرامت حسین صاحب اور کالج کے تقریباً تمام پروفیسر موجود تھے۔ اس کالج میں ڈاکٹر صاحب کی تقریباً بیس سال کے بعد اپنے طالب علمی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے دور کے ایک ساتھی عبدالرحمٰن صاحب عبد سے ملاقات ہوئی، جو اس کالج میں پروفیسر ہیں۔ موصوف دوسرے دن اپنے ایک ساتھی جناب محمد ریاض صاحب (لیکچرر) کے ساتھ تبادلۂ خیالات کے لیے تشریف لائے۔ اسی دن بعد نمازِ مغرب صادق آباد (سیٹلائٹ ٹاؤن) کی مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کا درس مکمل کیا۔ درس سے پہلے علاقہ کے ایک فعّال کارکن جناب مقصود الٰہی صاحب بھٹی اور جناب مولانا قاری محترم شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا مختصر تعارف کرایا۔ جناب شاہ صاحب ٹیکسلا میں قیام پذیر ہیں جہاں وہ ایک دینی مدرسہ سے متعلق ہیں۔ البتہ ہر جمعہ کو صادق آباد کی اس مسجد میں خطاب کرتے ہیں اور جمعہ پڑھاتے ہیں۔ وہ اس دن ٹیکسلا سے خاص طور پر ڈاکٹر صاحب کا درس سننے کے لیے تشریف لائے تھے ــــــــــ درس دو گھنٹے تک جاری رہا، سخت سردی کے باوجود دُور دُور سے شمعِ قرآنی کے پروانے اس درس کو سننے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اسی شب کو رات کے کھانے پر ڈاکٹر صاحب کی لیبیا کے سفیرِ محترم سے ملاقات کا انتظام مرکزی انجمن کے ایک دیرینہ ہمدرد کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اس ملاقات میں لاہور میں جو پاک لیبیا اسلامک سنٹر قائم ہو رہا ہے، اس کے بارے میں تبادلۂ خیالات ہوا نیز ڈاکٹر صاحب نے سفیرِ محترم کو مرکزی انجمن کے مقاصد سے متعارف کرایا۔

۱۴ر دسمبر کو صبح ساڑھے دس بجے جناب مولانا سید چراغ الدین شاہ، جامعہ حنفیہ انوار العلوم سے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات و تبادلۂ خیالات کے لیے تشریف لائے۔ شاہ صاحب موصوف بھی اس فیصلے میں جازم ہیں کہ ہمارے معاشرے کی بجز قرآنِ حکیم اصلاح ممکن نہیں۔ ہماری ساری مشکلات کا حل اسی نسخۂ کیمیا اور ھُدًی لِّلنَّاس کے پڑھنے پڑھانے، سمجھنے سمجھانے، عمل کرنے اور کرانے میں مضمر ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اسی کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ اُن کی مساعی کے نتیجے میں پنڈی

میں تقریباً تیرہ۱۳ مساجد میں تعلیم وتعلّمِ قرآن کا مستقل انتظام ہوچکا ہے جس میں تعلیم یافتہ حضرات کو خصوصی طور پر درسِ قرآن میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ شاہ صاحب موصوف نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے تعاون کی مخلصانہ پیش کش فرمائی۔ یہ ملاقات وتبادلۂ خیال ہر لحاظ سے مفید رہا۔

اسی تاریخ دوپہر کو ڈاکٹر صاحب نے راولپنڈی بار رُوم میں " پاکستان، اسلام اور قرآن" کے موضوع پر خطاب کیا۔ جلسے کی صدارت بار کے سینئر ایڈووکیٹ جناب ریاض احمد پیرزادہ صاحب کر رہے تھے۔ جناب اختر محمود صاحب ایڈووکیٹ آنریری سیکرٹری بار ایسوسی ایشن نے آغاز میں نہایت جامع انداز میں ڈاکٹر صاحب اور اُن کے مشن کا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ایک گھنٹہ تقریر کی اور پاکستانی مسلم معاشرے کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے معاشرے میں ہر طبقہ کا دین سے بُعد ہو چکا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ بظاہر جو تعلق نظر آتا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم کو وراثتاً چند عقائد اور چند رسومات منتقل ہوئے ہیں۔ ایمانِ حقیقی سے ہمارے قلوب خالی ہیں حالانکہ ہمارے ملک کے استحکام بلکہ بقا کا انحصار ہمارے دین سے حقیقی تعلّق پر منحصر ہے۔ چونکہ ہمارا ملک "اسلام" کے نام پر وجود میں آیا تھا اور اس کے سوا ہمارے ملک کے استحکام وبقا کے لیے کوئی وجہ جواز موجود نہیں ہے" موجودہ دَور میں کسی ملک کے استحکام میں جو عوامل مؤثر کردار ادا کرتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ "اِن عوامل میں تاریخی تسلسل، نسل کا تعلق، جغرافیائی حدود نیز تہذیب ثقافت اور زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں اِن میں سے کوئی بھی چیز حاصل نہیں ہے وطنی قومیت ہمارے لیے مفید مطلب ہونے کے بجائے انتہائی ضرر رساں ہے۔ چونکہ وطنی قومیت کی کامل نفی پر ہی تو پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ ہماری قوم کے خمیر میں علّامہ اقبال مرحوم کی یہ بات رچی بسی ہے کہ ؎

اس دَور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور | ساقی نے بنا کی رَوشِ لطف وستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور | تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے | غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبَوی ہے
بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے | اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ برِّ صغیر کے ایک جیّد عالمِ دین اور مردِ حُرّیّت پسند کے اس قول پر کہ "موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" حکیم الامّت علاّمہ ڈاکٹر محمدؐ اقبال مرحوم ہی نے یہ بات بھی کہی تھی کہ ؎

سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن است ۔۔۔ چہ بے خبر ز مقامِ محمدِؐ عربی است
بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اب جس ملک کے وجود کی واحد اساس ہی وطنی قومیت کی نفی ہو، وہ کیسے اس نظریہ کو قبول کر سکتا ہے۔ پھر وطنی قومیت کی خطرناکی ہمارے سامنے آچکی ہے۔ ہمارا ایک بازو اسی وطنی قومیت کے نعرے کی بنیاد پر ٹوٹ چکا ہے۔ موجودہ پاکستان میں بھی یہ فتنے سندھی قومیت، پختون قومیت اور بلوچ قومیت کی صورت میں سر اٹھا چکے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ اگر وطنی قومیت کے نظریّہ کی بیخ کنی نہ کی گئی تو مستقبل میں یہ ہمارے لیے کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے اتحاد، قومی تشخص اور ملک کے بقا و استحکام کے لیے صرف ایک ہی اساس ہے اور وہ ہے "اسلام"۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ "لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ بدقسمتی سے یہی واحد بنیاد ہمارے معاشرے میں انتہائی کمزور ہو چکی ہے۔ اسلام کی بنیادیں ہمارے معاشرے میں مضمحل ہو چکی ہیں۔ ہمارا تعلق اسلام سے ایک موروثی عقیدہ (DOGMA) کے طور پر تو باقی ہے لیکن عملاً وہ ہماری زندگی میں جاری و ساری نہیں"۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کے ہر طبقے کے دینی تصوّرات اور دین پر عمل کے لحاظ سے تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "آپ حضرات اپنے معاشرے کا بے لاگ جائزہ لیجئے اور اس کے لیے کسوٹی اور پیمانہ وہ استعمال کیجئے جو ہمارا دین ہم کو دیتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی کا کیا حال ہے؟ نماز وہ عبادت ہے جس کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامؐ کفر کی حدِّ فاصل قرار دیا ہے۔۔۔۔ جمعہ کی نماز کے اہتمام کی کیا کیفیت ہے؟ جس کے متعلق حضوؐر کا ارشاد ہے، جس نے بلا عذر تین جمعے چھوڑ دیئے، خدا کو کوئی غرض نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔۔۔۔ سودی کاروبار کا کیا حال ہے؟ جس کے متعلق قرآنِ حکیم میں سُود کے لین دین کرنے والوں کے خلاف اللہ اور اُس کے رسولؐ کی جانب سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے اور جس کی شناعت کے اظہار کے لیے حضوؐر نے فرمایا کہ "سُود کے لین دین کے گناہ کے ستّر درجے ہیں جن میں ایک درجہ یہ ہے کہ جیسے کوئی بدبخت اور شقی اپنی حقیقی ماں کے ساتھ زنا کرے"۔ ہمارا یہی طرزِ عمل دوسری فرض عبادات اور معاملات کے ساتھ ہے کہ جن کا دائرۂ عمل ہر مسلمان کی انفرادی زندگی

سے تعلق رکھتا ہے"۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "آپ حضرات کو میری یہ باتیں تلخ محسوس ہوں گی لیکن حقائق کا مواجہہ کئے بغیر صحیح علاج ممکن نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہماری ملّت کے قلوب میں ایمان کے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ ایمان کی بنیادیں ڈھے چکی ہیں، اِلّا ماشاء اللہ! اب اگر واقعی اور حقیقی اصلاح مطلوب و مقصود ہے تو میرے نزدیک اس کا واحد علاج یہ ہے کہ قوم میں تجدیدِ ایمان، توبہ اور تجدیدِ عہد کی تحریک بپا ہو۔ اور قرآن مجید کے ذریعہ جو ہمارے لیئے واحد منبعِ یقین و ایمان اور سرچشمۂ ہدایت ہے، کشتِ قلوب میں ایمان کی تخم ریزی ہو، باطل نظریات کا ابطال اور غلط افکار کی تطہیر ہو، اسلامی تعلیمات کے مطابق سیرت و کردار کی تعمیر ہو۔ بالخصوص ہمارے ملک کے فہیم و ذہین افراد میں اسلام کے بہترین نظامِ حیات ہونے کے شعور کے ساتھ اسلام کی حقانیت پر یقینِ قلبی پیدا ہو۔ اُن کے انفرادی عمل و کردار اور سیرت سے اس بات کی شہادت ملے کہ وہ واقعی اللہ پر، یومِ آخرت پر، رسالت پر اور قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں جب تک یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوگی حقیقی اسلام نہ نافذ ہو سکے گا اور نہ قائم۔ حالانکہ اسی اسلام سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے ——— ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر بہت پسند کی گئی اور پوری تقریر کے دوران کامل سکوت رہا۔ تقریر کے اختتام پر موضوع سے متعلق سوالات کی دعوت دی گئی لیکن کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد چند وکلاء سے نجی گفتگو ہوئی تقریباً سبھی حضرات نے ڈاکٹر صاحب کے موقف سے اتفاق کا اظہار کیا۔

اسی شام کو نمازِ مغرب کے بعد کشمیر روڈ صدر میں جامع مسجد قاری سعید الرحمٰن میں ڈاکٹر صاحب نے سورۂ آلِ عمران کے آخری کوع کی پانچ آیات کا درس دیا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہوش مند لوگوں کے لیے آفاق اور کائنات میں بے شمار نشانیاں ہیں جو ایک سلیم الطبع انسان کو ذکر و فکر کے ذریعہ اللہ کی توحید اور یومِ جزا پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ ایسے سلیم الفطرت لوگوں کے کانوں میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچتی ہے تو وہ اُس کو قبول کرنے میں سبقت کیا کرتے ہیں ——— درس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی لاہور مراجعت ہوئی۔

سکھر اور کراچی

اِن مقامات کے دورے پر ڈاکٹر صاحب ۲۰ ر دسمبر کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ اس دورے کی رُوداد اِن شاء اللہ تعالیٰ فروری کے شمارے میں پیش ہو گی۔

(بقیہ حقوقِ نسواں کمیٹی کی سفارشات پر تبصرہ)

میّسر آنے کے باوجود شور شرابا مچانے پر تلی رہتی ہے۔ پنجابی زبان میں کسی نے کیا خوب کہا ہے

وچوں وچوں کھائی جا　　اُتوں رولا پائی جا

انبیاء کرام کے طریق دعوت اور نہج انقلاب کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی کی دو اہم تصانیف

۱۔ دعوتِ دین اور اس کا طریق کار

صفحات ۲۱۲، مضبوط جلد اور خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ: قیمت فی نسخہ -/۱۰

۲۔ اقامتِ دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار

صفحات ۲۸، خوشنما کور کے ساتھ۔ قیمت فی نسخہ ۲۵ / ۱

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

مولانا امین احسن اصلاحی کی دو معرکۃ الآراء تصانیف

(۱) اسلامی ریاست ——— (۲) پاکستانی عورت دوراہے پر

عنقریب شائع ہو رہی ہیں

مکتبہ مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

تنظیمِ اسلامی
کی اساسی دعوت

تجدیدِ ایمان	توبہ	تجدیدِ عہد

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ
الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
(النّسآء : ۱۳۶)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا
(التحریم : ۸)

اُذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ
بِہٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
(المآئدۃ : ۷)

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ
(البقرۃ : ۴۰)

لاھور میں

درسِ قرآن حکیم

کی دو اہم ہفت روزہ نشستیں جن میں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قرآن مجید کا سلسلہ وار درس دے رہے ہیں

۱ ہر اتوار کی صبح : مسجدِ شہداء، ریگل چوک میں،

——— جس میں قرآن مجید ابتداء سے سلسلہ وار زیرِ درس ہے۔
اور حال ہی میں سورۃ نساء کا آغاز ہوا ہے

۲ ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ: مسجد خضراء، سمن آباد میں،

——— جس میں اس وقت سولھواں پارہ زیرِ درس ہے۔

نوٹ: دونوں اجتماعات میں خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہوتا ہے۔

مزید برآں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک رفیق کار

مختار حسین فاروقی

دو مقامات پر مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا درس دے رہے ہیں:۔

۱ ۔ ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب: انجمن رفاہ عام شادباغ کے ہال میں

۲ ۔ ہر ہفتہ کو بعد نماز عشاء: مسجد مظاہر، عقب تھانہ مزنگ میں

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

ڈاکٹر اسرار احمد

کے جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک

کے ذہنی سفر کی تفاصیل سے آگاہ ہونے کے لئے حسب ذیل مطبوعات
کا مطالعہ لازمی ہے

۱۔ تحریک جماعت اسلامی ۔ ایک تحقیقی مطالعہ	قیمت ۶/-	روپے
۲۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ۔ کرنے کا اصل کام	,, ۱/-	,,
۳۔ دستور مرکزی انجمن خدام القران لاہور	,, ۵۰/-	,,
۴۔ ماہ نامہ میثاق بابت ستمبر تا دسمبر ۶۷	,, ۴/۵۰	,,
۵۔ ,, ,, اکتوبر تا دسمبر ۶۸	,, ۳/-	,,
۶۔ دستور تنظیم اسلامی	,, ۱/-	,,

مزید برآں

۱۹۵۶-۵۷ء میں جماعت اسلامی میں پالیسی کے بارے میں اختلاف نے جو ہنگامہ خیز صورت اختیار کی تھی اور جس کے نتیجے میں بہت سے مخلص رہنما اور سر گرم کار کن جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے

اس کی تفصیلات ڈاکٹر اسرار احمد نے

,, نقض غزل "

کے عنوان سے تحریر کی تھیں جو ماہنامہ 'میثاق' کے ۱۹۶۶-۶۷ء کے بعض شماروں میں شائع ہو ئیں جو ایک محدود تعداد میں موجود ہیں اور فی سیٹ ۷/- روپے میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

مینجر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۱۲ ۔ افغانی روڈ ، سمن آباد ۔ لاہور

Regd. L. No. 7360
Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 25 | JANUARY 1977 | No. 1

احباب مطلع رہیں کہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

کے حسب ذیل حصص دستیاب ہیں :-

	مقدمہ و تفاسیر آیہ بسم‌اللہ و سورہ فاتحہ	ہدیہ	-/۳
۱ -	جلد اول ,, ,, ,, و سورہ بقرہ وال عمران	,,	-/۵۰
۲ -	جلد دوم مشتمل بر تفاسیر سورہ نساء تا سورہ اعراف	,,	-/۵۰
۳ -	,, سوم ,, ,, ,, انفال تا ,, بنی اسرائیل	,,	-/۵۰
۴ -	,, چہارم ,, ,, ,, کہف تا ,, قصص	,,	-/۵۰

المعلن : ناظم مکتبہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاهور

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چوھدری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
۱۲ - افغانی روڈ - سمن آباد - لاهور سے شائع کیا -